حقیقی تعلیماتِ اِسلامیہ اِمامیہ کا بے باک ترجمان

زیرِ انتظام
جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ
زاھد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا
فون: 048-3021536

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

- ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہونا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے۔ یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے۔ خوش نصیب ہیں، وہ افراد جنھوں نے اپنے مستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہو گئی۔
- آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حسبِ حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔
- ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے۔ آپ اپنے قومی ادارے جامعہ علمیہ سُلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1. اپنے ذہین وفطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کے لیے ادارہ میں داخل کروا کر۔
2. طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے۔ کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔
3. ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کے لیے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیا فرما کر۔
4. ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "دقائقِ اسلام" کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔
5. ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کے لیے:

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا ○ فون 0301-6702646

مذہبی تعلیمات اسلامیہ امامیہ کا بے باک ترجمان

ماہنامہ دقائق اسلام

سرگودھا

جلد ۱۶ | جولائی ۲۰۱۲ء | شمارہ ۷

فہرست مضامین

اداریہ:	دینی اور قومی سلامتی کی فکر کریں	۲
باب العقائد:	اقسام توحید کا تذکرہ	۳
باب الاعمال:	نذر و منت کا بیان	۵
باب التفسیر:	بخل کی مذمت	۷
باب الحدیث:	مومن کے ساتھ لطف و کرم	۱۰
باب المسائل:	مختلف دینی و مذہبی سوالات کے جوابات	۱۱
باب المتفرقات:	اسلامی فرقوں کی پیدائش کا حال	۱۶
	نقش زندگانی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام	۲۱
	مولائے کائنات کی شہادت	۲۶
	روزہ، اس کے اسرار و اغراض	۳۴
	کالم گلوچ	۳۷
	اخبار غم	۴۰

مُدیر اعلیٰ: ملک مُمتاز حسین اعوان

مُدیر: گلزار حسین محمدی

پبلشر: ملک مُمتاز حسین اعوان

مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰

مقام اشاعت: جامعہ علمیہ سلطان المدارس سرگودھا

کمپوزنگ: الخطاط کمپیوٹرز 0307-6719282

فون: 048-3021536

زرِ تعاون 300 روپے

لائف ممبر 5000 روپے

اداریہ

دینی اور قومی سلامتی کی فکر کریں

عالم اسلام اس وقت انتہائی نازک حالات سے دوچار ہے۔ مُسلمان ممالک عالمی طاغوتی طاقتوں کے پنجے میں پھنستے جارہے ہیں۔اہل اسلام کو اس وقت اتحاد کی ضرورت ہے۔اب بھی اگر اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ نہ کیا گیا تو تباہی ان کا مقدر ہوگی۔وہ قومیں جو آپس میں نفاق اور افتراق کا شکار ہوجاتی ہیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔ برسوں پہلے سید جمال الدین افغانی اور ان کے بعد علامہ اقبال نے مسلم امہ کو اتحاد کی طرف دعوت دی اور واشگاف الفاظ میں بتایا کہ اگر اتحاد عالم اسلام نہ کیا گیا تو اس کے سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ چنانچہ ایسے ہی حالات سے امت مُسلمہ دوچار ہے۔ مسلم ممالک کے سربراہان خوابِ غفلت سے جاگیں اور سید افغانی اور مُفکر پاکستان کے خواب کی تعبیر اتحاد و اتفاق کی صورت میں ظاہر کریں۔

مملکت خداداد پاکستان میں فرقہ واریت اور دہشت گردی نے ملک کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ہر روز قتل و غارت کی وحشت ناک خبریں سامنے آرہی ہیں۔ کچھ لوگ مذہب اور اسلام کے نام پر اپنے برادر مُسلمانوں کا قتل عام کر کے فخر سے سربلند کرتے نظر آرہے ہیں۔ اسلام امن و سلامتی اور باہمی اخوت کا درس دیتا ہے۔یہ مذہبی درندے اس بات کو سمجھ نہیں پارہے،ان کے مقاصد کیا ہیں؟ان کی سوچ کیسی ہے؟

ہر مکتب فکر کے علماء کرام سے دست بستہ گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ مکتب کو امن و آشتی کا درس دے کر اس خونریزی کا سدباب کریں۔...... حکومت وقت اور حزب اختلاف سرجوڑ کر بیٹھیں اور قوم و ملک کو تباہی سے بچانے کی راہیں تلاش کریں۔...... ہمیں یقین ہے کہ علماء و دانشور صحافی اور حکومت اور اپوزیشن خلوص نیت سے ہنگامی بنیادوں پر امن کی تجاویز دے کر اور ان کو عملی جامہ پہنائیں تو یہ ملک مستحکم اور مُسلمان قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں...... پاکستان کے دردمند علماء کرام نے ملی یک جہتی کونسل کو دوبارہ فعال بنانے کی جو کوشش کی ہے لائق صد تحسین ہے۔پاکستان کے تمام حلقوں کو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے اور ان کے مقاصد کی تکمیل کے لیے ان کا بھرپور ساتھ دینا چاہیے۔

بدقسمتی سے اس وقت ملک کی انتظامیہ اور عدلیہ آپس میں انا کا مسئلہ بنا کر اختلاف کا شکار ہے...... عدلیہ اور انتظامیہ کو ملکی مفاد کی خاطر ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر کام کرنا چاہیے تاکہ ملک خداداد پاکستان کا مستقبل روشن اور تابناک ہو۔ملک کے تمام طبقات کو چاہیے کہ احکام خداوندی اور سیرت نبوی کے سنہری اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا اور آخرت سنواریں۔

یاد رکھیں ہماری کامیابی اتحاد اور اتفاق میں ہے۔ نفرت اور عداوت کے جذبات کو دفن کریں،اور "واعتصموا بحبل اللہ" کے پاکیزہ فرمان پر عمل پیرا ہوں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

(اقبال)

باب العقائد

اقسام توحید کا تذکرہ

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

گزشتہ ماہ کے دقائق اسلام میں معرفت توحید کا بقدر ضرورت تذکرہ کیا گیا تھا اور اس شمارہ میں توحید کے چاروں اقسام کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ عقیدہ توحید مکمل ہوجائے اور ہر قسم کے شرک سے دامن صاف ہوجائے کیونکہ توحید کی ضد شرک ہے۔ تو جس طرح توحید کی چار قسمیں ہیں: ① ذاتی، ② صفاتی ③ افعالی، اور ④ عبادتی۔ اسی طرح شرک کی بھی چار قسمیں ہیں۔

● شرک ذاتی۔ یعنی ازلی و ابدی، حی لا یموت خدائے واجب الوجود کی ذات والا صفات میں کسی اور کو شریک قرار دینا، حالانکہ وہ واحد و یکتا ہے۔
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

● شرک صفاتی۔ یعنی خدا کی صفات حقیقیہ میں کسی کو شریک قرار دینا۔ چونکہ خداوند عالم کی صفات حقیقیہ ذاتیہ عین ذات ہیں، یعنی ذات و صفات میں کبھی جدائی کا تصور بھی نہیں ہوسکتا...... اس مرحلہ میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ باقی جس قدر مخلوق ہے اس کی صفاتِ کمالیہ زائد بر ذات ہیں۔ جس طرح اس کی ذات تخلیق خالق کا نتیجہ ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی عطیہ الٰہی کا ثمرہ ہے۔

● شرک افعالی۔ یعنی اللہ کے ان کاموں میں کسی کو شریک قرار دینا جن کاموں پر کوئی بھی مخلوق من حیث المخلوق قادر نہیں ہے۔ جیسے خلق کرنا، رزق دینا، مارنا، جلانا، اور بیمار کو شفاء دینا (وغیرہ افعال تکوینیہ)

ارشاد قدرت ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○
(پ ۲۱، سورہ روم، ع ۷)

اللہ وہی تو ہے جس نے پہلے تمہیں پیدا کیا پھر رزق دیا، پھر تمہیں موت کا ذائقہ چکھائے گا اور پھر تمہیں زندہ فرمائے گا۔ جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ان میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کرسکے۔ خدا مشرکوں کے شرک سے پاک و پاکیزہ ہے۔

لہٰذا اللہ کے سوا کسی کو خالق و رازق، محیی، و ممیت اور شافی الامراض و قاضی الحاجات جاننا شرک افعالی ہے۔

● شرک عبادتی: یعنی مقام عبادت میں کسی کو خدا کا شریک قرار دینا، خدا کی طرح اس کی عبادت کرنا اور اسی کی طرح شدائد و مصائب میں اسے پکارنا۔ ارشادِ قدرت ہے:
وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا (سورۃ نون)

سوچ بچار سے نہیں، وہ فاعل مختار ہے یعنی اپنے افعال میں مجبور و مقہور نہیں، وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ اگر اس عالم جیسے ہزار ہا عالم بلا مادہ و مدت پیدا کرنا چاہے تو (چشم زدن میں) پیدا کرسکتا ہے۔ ایسا نہیں جیسا کہ حکماء کا خیال کرتے ہیں کہ اجسام کی خلقت قدیم مادہ اور اس کی استعداد کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ نیز وہ خدائے علیم کلیات و جزئیات الغرض تمام اشیاء کا عالم ہے اور اس کا ما کان (گزشتہ) اور ما یکون (آئندہ) کے متعلق علم ایک جیسا ہے۔ (خلقت اشیاء سے پہلے اسے جو علم ہوتا ہے) ان کے وجود میں آجانے کے بعد اس کے علم میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل پیدا نہیں ہوتا اور زمین و آسمان میں (غرضیکہ پوری کائنات میں) ایک ذرہ بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں ہے، ایسا نہیں جیسا کہ حکماء کا خیال ہے کہ اس کو جزئیات کا علم نہیں ہے، یہ اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ (بناء پر اصطلاحِ منطقی) اس کا علم حضوری ہے یا حصولی؟ اس کی کیفیت میں غور و فکر کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ جائز ہی نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی دوسری صفات کی کیفیات میں اس مقدار سے جو سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام نے بیان کر دی ہے زیادہ غور و خوض کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ صفات میں غور و فکر کرنے کی بازگشت خدا کی ذات میں فکر کرنے کی طرف ہوتی ہے، جس میں فکر کرنے کی کثیر اخبار میں ہمیں ممانعت کی گئی ہے۔

معرفت الٰہی بدیہی ہے یا نظری؟ یا کچھ بدیہی ہے اور کچھ نظری؟ اقرب یہی قول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے رحمٰن کی اس قدر اجمالی معرفت تو بالکل بدیہی اور فطری ہے کہ اس عالم کا کوئی صانع علیم اور کوئی خالق حکیم ہے جس نے اس کائنات کو نعمت وجود سے نوازا ہے، ہاں البتہ اس کی پوری معرفت کہ وہ واحد لاشریک ہے، وہ جسم اور زمان و مکان سے منزہ ہے اور دنیا و آخرت میں نظر نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔ یہ نظری ہے اور دلیل و برہان کا محتاج اور خدا کی ہستی اور اس کی صفات کے اثبات کا طریقہ وہی صحیح ہے جس کا تذکرہ سرکار علامہ نے فرمایا ہے کہ اثر کو دیکھ کر اس کے صانع پر استدلال کیا جائے اور کائنات میں پائی جانے والی عجیب و غریب حکمتوں سے اس کے علیم و حکیم ہونے پر استدلال کیا جائے۔ قرآن کریم انبیاء، مرسلین اور ائمہ طاہرین نے یہی طریقہ استعمال کیا ہے۔ (منہ عفی عنہ)

منجملہ ان مسائل کے جن کو موجودہ دور میں بعض نام نہاد اہل علم نے اختلاف کی آماجگاہ بنا دیا ہے (اگرچہ وہ چودہ سو سال سے اتفاقی چلے آرہے ہیں) ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے، جسے وہ حسب ضرورت کسی نبی یا امام کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے یا اس کے حقیقی فاعل نبی و امام ہیں؟ اور یہ معجزہ ان کے افعال اختیاریہ میں سے ہے؟ جو بات قرآن کریم، ارشادات معصومین، تحقیقات علماء متقدمین و متاخرین اور عقلی دلائل و براہین کی روشنی میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے۔ ہاں نبی و امام کی طرف اس کی نسبت مجازاً دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا ظہور ان کے ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ یہاں اس موضوع پر دلائل و براہین

باقی صفحہ ۷ پر

باب الاعمال

نذر منت کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

نذر کیا ہے؟ یہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے کسی عمل صالح کی بجا آوری کو اپنے ذمہ لینے کا نام ہے۔ یہ عمل صالح:

① یا تو کوئی نیکی ہوتی ہے جیسے: ان رزقت ولدًا فللہ علی کذا (اگر خدا نے مجھے فرزند عطا کیا تو اللہ کے لیے میں فلاں نیک کام کروں گا)

② ادائے شکر ہوتا ہے جیسے: ان یشفی المریض فللہ علی کذا (اگر میرا مریض شفایاب ہوگیا تو میں اللہ کے لیے فلاں کام کروں گا۔)

③ یا زجر و توبیخ ہوتی ہے، جیسے: ان فعلت محرما فللہ علی کذا او ان لم افعل الطاعۃ فللہ علی کذا (اگر میں نے کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا یا کسی اطاعت کے کام کو ترک کیا تو فلاں کام کروں گا۔)

④ یا محض تبرع ہوتا ہے۔ فللہ علی کذا (میں اللہ کے لیے فلاں کام کروں گا۔)

نذر کے شرائط دہ گانہ کا بیان

شرعی نقطہ نظر سے نذر میں دس شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ورنہ وہ نذر صحیح اور شرعی نذر نہ ہوگی۔ ان شرطوں میں سے بعض کا تعلق نذر ماننے والے کے ساتھ ہے اور بعض کا اصل نذر کے ساتھ اور بعض کا منذور (متعلق نذر) کے ساتھ ہے۔

① نذر ماننے والا مسلمان ہو۔

② بالغ ہو۔

③ عاقل ہو۔

④ مختار ہو مجبور و مکرہ نہ ہو۔

⑤ سفاہت وغیرہ کی وجہ سے ممنوع التصرف نہ ہو۔

⑥ بقصد قربت نذر مانی جائے۔

⑦ اگر نذر ماننے والا غلام ہے یا ایسا لڑکا ہے جس کا والد موجود ہے یا ایسی بیوی ہے جس کا شوہر موجود ہے تو پھر آقا، والد اور شوہر کی اجازت ضروری ہے۔ اور اگر یہ لوگ بے اجازت نذر مانیں گے تو ان کے والد، آقا اور شوہر کو ان کی نذر توڑنے کا حق حاصل ہوگا۔

⑧ مخصوص صیغہ (للہ علی کذا) احتیاط واجب یہ ہے کہ حتی الامکان یہ صیغہ عربی زبان میں ادا کیا جائے۔ ہاں البتہ بامر مجبوری اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

⑨ جس کام کی نذر مانی جائے اس کی انجام دہی پر آدمی قادر ہو۔

⑩ نذر کا متعلق اللہ کی اطاعات ہو، جسے محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بجا لایا جائے۔

کیونکہ فقہاء شیعہ کے فتاویٰ اور اہل بیت نبوتؑ کے نصوص اس بات پر متفق ہیں کہ نذر (منت) صرف اور صرف خدا کے ذاتی یا صفاتی نام کے ساتھ صحیح ہوتی ہے۔

عن الکنانی عن ابی عبداللہ قال سئلتہ عن رجل قال علی نذر قال لیس بشئی حتی یسمی للہ شیئا صیاما او صدقۃ او ھدیا اور حجا۔ (الکافی، التہذیب)

کنانی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ میں منت مانتا ہوں۔ یہ منت کیسی ہے؟ فرمایا کہ کچھ بھی نہیں ہے جب تک کہ خدا کا نام لے کر روزہ رکھنے، صدقہ یا ہدیہ دینے یا حج کرنے کی منت نہ مانے۔

بنا بریں جو منت حضرت امام حسینؑ یا شہزادہ ابوالفضل العباسؑ کے نام پر مانی جاتی ہے جسے عرف عام میں امام حسینؑ کی نیاز اور حضرت عباسؑ کی حاضری کہا جاتا ہے تو اگر اس سے مقصد یہ ہے اور عموماً یہی ہوتا ہے اور یہی ہونا چاہیے کہ اگر خداوند عالم ان ذوات مقدسہ کے وسیلہ سے میرا فلاں کام کر دے تو میں اللہ کے نام پر فلاں نیکی کا کام کروں گا اور اس کا ثواب ان حضرات کی بارگاہ میں ہدیہ کروں گا تو یہ درست ہوگی اور یہ نسبت مجاز ہوگی۔ ورنہ اس کی صحت نہ صرف محل اشکال ہے بلکہ محل منع ہے۔ واللہ العالم والعاصم

نذر کے احکام

مسئلہ ۱: جب منت پوری ہو جائے تو منت کے مطابق اس عمل کا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر پوری نہ ہو تو وہ عمل واجب نہیں ہوتا۔ خداوند عالم نے اہل ایمان کی یوں مدح فرمائی ہے کہ یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ یَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِیْرًا (دھر: ۷) وہ نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن کے شر سے ڈرتے ہیں جن کا شر پھیلا ہوگا۔

مسئلہ ۲: منت مانتے وقت اگر فی الواقع وہ کام پہلے ہو چکا ہو جیسے کوئی آدمی یوں منت مانے کہ اگر فلاں بیمار شفایاب ہو گیا تو میں خدا کے لیے فلاں کام کروں گا اور بعد میں معلوم ہوا کہ جب وہ منت مان رہا تھا تو اس وقت بیمار تندرست ہو چکا تھا تو منت کے مطابق عمل کرنا واجب نہیں ہوگا۔

مسئلہ ۳: جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ نذر میں اطاعت و عمل صالح کی بجا آوری ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ وہ کسی واجب یا مستحب کام کی بجا آوری یا حرام و مکروہ سے اجتناب یا کسی فعل مباح کی بجا آوری ہی ہو سکتی ہے جس کی بجا آوری میں رجحان کا کوئی پہلو پایا جائے، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی واجب یا مستحب کے ترک کرنے یا حرام و مکروہ کے بجا لانے کی منت مانے تو یہ منت شرعاً درست نہ ہوگی۔

مسئلہ ۴: نذر میں جن خصوصیات کا لحاظ رکھا گیا ہو اس کی ادائیگی میں ان کا ملحوظ رکھنا ضروری ہوگا۔ مثلاً اگر یوں منت مانے کہ میرا فلاں کام ہو گیا تو میں خدا کے لیے فلاں فقیر کو اتنی رقم دوں گا یا فلاں واعظ سے مجلس پڑھواؤں گا، یا اتنے فقراء کو کھانا کھلاؤں گا یا مسجد بنواؤں گا یا کسی مومن کو زیارات یا حج کراؤں گا وغیرہ وغیرہ تو کامیابی کے بعد اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں

باقی صفحہ پر

باب التفسیر

بخل کی مذمت قرآن وسنت کی روشنی میں

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَ یَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ﴿۳۷﴾ وَ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾

ترجمۃ الآیات

جو خود کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کرنے کا حکم (ترغیب) دیتے ہیں، اور جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے دیا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں، ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (۳۷) اور جو اپنے مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور دراصل وہ خدا اور روز جزا پر ایمان و یقین نہیں رکھتے (اللہ ایسے لوگوں کو دوست نہیں رکھتا) اور وہ جس کا مصاحب شیطان ہو، وہ اس کا بہت برا مصاحب ہے۔ (۳۸)

تفسیر الآیات

الذین یبخلون الآیۃ

ان مغروروں اور اپنی زبانی اپنی مدح وثنا کرنے والے فخوروں کی پہچان یہ ہے کہ (۱) خود بخل سے کام لیتے ہیں۔ (۲) دوسروں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ (۳) اور خدا نے انھیں اپنے جس فضل و کرم سے نوازا ہے وہ اسے چھپاتے ہیں۔

بخل کی مذمت

قرآن و سنت کی روشنی میں

بخل ان بنیادی اخلاق رذیلہ میں سے ہے جو اور بہت سی بداخلاقیوں کی جڑ ہے۔ جیسے خیانت، بددیانتی، بے مروتی، بے رحمی، بدسلوکی، اور دنائت نفس وغیرہ۔ اسی صفت رذیلہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح حرص، طمع و لالچ، تنگ نظری، کم ہمتی اور پست طبعی بھی اسی شجرہ خبیثہ کے برگ و بار ہیں۔ بخل درحقیقت ان قلبی بیماریوں میں سے ہے جو اعمال کی جزاء وسزا پر یقین نہ رکھنے کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے بخیل اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ بخل کا انجام آتش دوزخ ہے۔ چنانچہ سورہ مدثر میں جنتیوں اور دوزخیوں کا جو سوال وجواب بطور مکالمہ درج ہے اس میں ہے کہ جنتی لوگ جہنمیوں سے سوال کریں گے:

ما سلککم فی سقر۔ تمھیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا۔

قالوا لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین

الآیة۔ جہنمی جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ جب تک انسان حرص و آز کو روک کر اچھے کاموں پر روپیہ صرف نہ کرے اس وقت تک کامرانی حاصل نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

خرچ کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو شخص نفس کے حرص و بخل سے بچایا گیا وہی لوگ کامیاب ہیں۔

ایک اور مقام پر خدائے کریم نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ:

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

وہ دوسروں کو اپنے اوپر مقدم سمجھتے ہیں اگرچہ خود ان کو سخت ضرورت ہوتی ہے۔

حدیث میں وارد ہے:

البخیل بعید من اللہ و بعید من الجنۃ و بعید من الناس قریب من النار۔

بخیل آدمی خدا سے دور، جنت سے دور اور مخلوق سے دور ہوتا اور جہنم کے قریب ہوتا ہے۔ جبکہ:

السخی قریب من اللہ و قریب من الجنۃ قریب من الناس بعید من النار۔

سخی خدا کے قریب، جنت کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دور ہوتا ہے۔

(اصول کافی)

ولنعم ما قیل:

بخیل ار بود زاھدِ بحر و بر
بھشتی نباشد بحکمِ خبر

اس مختصر بیان سے بخل سے کام لینے اور دوسروں کو بخل کا حکم دینے کی مذمت واضح و عیاں ہو جاتی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ چونکہ ایسے لوگوں کے لیے اخروی عذاب کی خبر دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بخل سے مراد مالی واجبی حقوق کا ادا نہ کرنا ہے۔ کیونکہ جو شخص مالی واجبات ادا کرتا ہے وہ اگرچہ کنجوس ہی ہو اور قابل مذمت بھی لیکن وہ اخروی عذاب کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

و یکتمون ما ۔ الآیۃ

اللہ کے فضل کو چھپانے کے مفہوم کی وضاحت:

اللہ کے فضل و کرم کو چھپانا دو طرح متصور ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اپنے قول سے اسے چھپایا جائے کہ اللہ نے اسے جن نعمتوں سے نوازا ہے آدمی ان کا انکار کرے، دوسرے یہ کہ اپنے عمل سے چھپائے۔ یعنی اپنی عملی زندگی اس طرح گزارے جس سے معلوم ہو کہ اللہ نے اسے کچھ نہیں دیا، جیسے اللہ نے اسے مال و دولت دی ہو مگر وہ اسے نہ اپنی ذات پر خرچ کرے اور نہ اہل و عیال پر اور نہ دوسرے بندگانِ خدا کی ضروریات پر بلکہ اس طرح فقیرانہ انداز میں زندگی گزارے کہ ہر دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ بڑا کنگال اور مفلوک الحال ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ان اللہ اذا نعم نعمۃ علی عبد احب ان یظھر اثرھا۔

اللہ جب کسی نعمت سے نوازتا ہے تو وہ چاہتا ہے

کہ بندہ پر اس نعمت کا اثر ظاہر ہو۔ (جامع السعادات)

بندہ کو اپنی کس نعمت کا اظہار ہونا چاہیے۔ لہٰذا جب اللہ نعمت مال دے تو آدمی کی وضع قطع، رہن سہن، اور طرز بود ماند سے اس نعمت کا اظہار ہونا چاہیے اور اس طرح نہ کرنا کفرانِ نعمت اور ناشکری کے زمرہ میں آتا ہے جو بڑی مذموم صفت ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

لئن شکرتم لازیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید۔

اعتدنا للکافرین الآیۃ

یہاں آیت کے آخر میں خداوند جبار نے ان سہ گانہ برے صفات کے حامل لوگوں کو نہ صرف یہ کہ عذاب کا مستوجب قرار دیا ہے بلکہ ان کو کافرین کی لفظ سے تعبیر کیا ہے جو کفران سے بھی ہو سکتا ہے جس کا ترجمہ ناشکری ہے۔ جیسا کہ حضرت امام موسیٰ کاظم سے مروی ہے، فرمایا: التحدث بنعم اللہ شکر و ترک ذلک کفر۔ اللہ کی نعمتوں کا اظہار کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کرنا کفران ہے۔ (تفسیر کاشف)

اور کفر سے بھی جس طرح ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے: و من کفر فان اللہ غنی عن العالمین جو اس گناہ کی اہمیت اجاگر کرنے کا ایک انداز ہے اور اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسلام میں بخیل اور ریا کار کسی کافر سے کم نہیں ہیں۔ کیونکہ بخیل خدا کی رزاقیت پر ایمان نہیں رکھتا جبھی تو بخل کرتا ہے اور ریا کار خدا کے علاوہ کسی کو لائق عبادت یا روز جزاء کا مالک جانتا ہے جسے دکھانے اور خوش کرنے کے لیے کام کرتا ہے۔

الذین ینفقون الآیۃ

ان مغروروں اور متکبروں کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ مال تو خرچ کرتے ہیں راہِ خدا میں بھی خرچ کرتے ہیں مگر خدا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہیں کرتے بلکہ لوگوں کو دکھانے کی خاطر کرتے ہیں۔ اس طرح پہلے ان لوگوں کی مذمت کی گئی جو راہِ خدا میں مال خرچ ہی نہیں کرتے اور اب ان کی مذمت کی جا رہی ہے جو خرچ تو کرتے ہیں مگر ریا وسمعہ کی خاطر کرتے ہیں، خدا کے لیے نہیں کرتے۔ جبکہ ریا وسمعہ شرک اصغر ہیں اور بروز قیامت خداوند عالم ریا کار کو مشرک کہہ کر خطاب فرمائے گا اور کہے گا آج اپنے عمل کا اجر اس سے وصول کر جسے دکھانے کی خاطر عمل کیا تھا۔ (الانبال الاخبار)

یہ دونوں قسم کے لوگ برابر ہیں، اس صدقہ و خیرات کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ان کی پانچویں اور چھٹی صفت یا ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کا اللہ اور قیامت پر کوئی ایمان و یقین نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ صرف اور صرف نام و نمود کے لیے، حکام وقت کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے اور عوام سے داد و تحسین کا خراج وصول کرنے کے لیے۔ بہر حال وہ اپنی مصلحتوں اور خواہشوں کی تسکین کے لیے مال خرچ کرتے ہیں مگر خاموش دینی مواقع پر مال خرچ نہیں کرتے اور یہ حقیقت ہے کہ جو شخص محض نام و نمود کے لیے مال خرچ کرتا ہے وہ اللہ اور یوم آخرت پر سچا ایمان نہیں رکھتا۔

باقی صفحہ ۳۹ پر

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

(۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بندہ مومن کی آنکھ سے کنکر دور کرے تو خداوند عالم اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

(اصول کافی)

(۲) نیز انہی جناب سے مروی ہے، فرمایا: جو بندہ مومن کو دیکھ کر مسکرائے اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ (اصول کافی)

(۳) انہی جناب سے منقول ہے، فرمایا: جس شخص کے پاس کوئی مومن جائے اور وہ اس کا اکرام واحترام کرے تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے خدا کا اکرام واحترام کیا ہے۔ (اصول کافی)

(۴) حضرت رسول خدا ﷺ سے مروی ہے، فرمایا: جو شخص کسی بندہ مومن کے ساتھ لطف و کرم کرے (اس کی کچھ خدمت کرے) تو خداوند عالم جنت کے خدام سے اس کی خدمت کرائے گا۔ (اصول کافی)

(۵) نیز آنحضرت ﷺ سے مروی ہے، فرمایا: جو شخص اپنے برادر مسلمان کا احترام کرے اور اس کی کوئی پریشانی دور کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں رہتا ہے۔ (اصول کافی)

(۶) حضرت امیر المومنین علیہ السلام پیغمبر اسلام سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: جو شخص حقیقی مسلمان قوم کی خدمت کرے تو اتنی تعداد کے مطابق خدا اسے جنت میں خدام دے گا۔ (اصول کافی)

وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ

سوالات جناب سید عارف حسین شاہ نقوی ایم اے آف پہاڑپور ضلع ڈیرہ اسماعیل خان (گزشتہ سے پیوستہ)

سوال نمبر ۲۹۱: اگر تفسیر قرآن روایات معصومینؑ کے علاوہ ناقابل فہم ہے تو وہ آیات جن کے بارے میں روایات نہیں ہیں ان کا سمجھنا اوران پر عمل کرنا خودبخود ساقط ہو جائے گا۔ اس طرح سے ثقل اکبر کے ایک بڑے حصے سے تمسک ناممکن ہو جائے گا۔ ثقلین سے تمسک نہ ہوگا۔ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: سابقہ سوالات وجوابات میں کئی بار اس حقیقت کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ نہ تو سارا قرآن ایک معمہ ہے کہ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا، ورنہ اس کا نازل کرنا بے مقصد ہو جائے گا۔ اور نہ ہی ایسا آسان ہے کہ کسی معلم ربانی کے پڑھانے کا بھی محتاج نہیں ہے، ورنہ رسول اکرم ﷺ کا بھیجنا بے کار ہو جائے گا۔ بلکہ کچھ محکم ہے جس کا سمجھنا آسان ہے اور کچھ متشابہ ہے جس کا سمجھنا وارثان علم قرآن کی تعلیم وتلقین کا محتاج ہے۔ اور اس حصہ کے بارے میں احادیث معصومینؑ سے دفتر تفسیر وحدیث چھلک رہا ہے۔ لہٰذا تمسک بالثقلین برقرار رہے گا۔ ان شاء اللہ

سوال نمبر ۲۹۲: دین میں خود دین سے متعلق شریعت کی مقرر کردہ حدود سے زائد چیزیں داخل کرنا چاہے حسن نیت سے ہو تب بھی منع ہے۔ مگر ایسی اضافی چیزوں کو اکثر علماء مباح کہتے ہیں یا فرماتے ہیں کہ ان کے نہی کا حکم نہیں ہے لہٰذا جائز ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: دین اور شریعت بنانا خدائے رحمٰن کا کام ہے۔ نبی وامام بھی شریعت ساز نہیں ہوتے بلکہ نبی مبلغ دین اور امام اس کا ناشر ومحافظ ہے۔ لہٰذا دین وہ ہوگا اور شریعت وہ ہوگی جو خدا بنائے، نبی پہنچائے اور امام اس کی نشر واشاعت کرے اور مشکل وقت آنے پر اپنا تن من دھن قربان کرکے اسے بچائے۔ لہٰذا کسی کو بھی دین وشریعت میں اضافہ کرنے یا اس میں کچھ کمی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، بلکہ دین وشریعت کمی یا بیشی کرنے کا نام بدعت ہے، جو کبھی ایجابی ہوتی ہے (کچھ بڑھانے سے) یا سلبی ہوتی ہے (کچھ گھٹانے سے) جو کہ بالاتفاق حرام ہے۔

سوال نمبر ۲۹۳: شیطان کی حقیقت کیا ہے؟ شیاطین جن وانس سے ہیں۔ شیطان اور ان شیاطین میں کیا فرق ہے۔ کیا شیطان حاضر وناظر ہو کر یا غائب رہ کر وسوسہ ڈالتا ہے...... شیطان یا شیاطین کو کس حد تک قدرت حاصل ہے۔ شیطان کا سونا، کھانا اور پینا کیا ہے؟

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ سوال کئی سوالات کا مجموعہ ہے۔ جن کا مختصر مختصر جواب حاضر ہے۔ قرآن سے ثابت ہے کہ شیطان جنات میں سے تھا۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (وہ جنوں میں سے تھا، پس اس نے اپنے پروردگار کے حکم کی حکم عدولی کی) اور واضح ہے کہ جنات بھی بنی نوع انسان کی طرح ایک مکلف مخلوق ہے۔ ارشاد قدرت ہے: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔) شیطان کا کام انسان کو گمراہ و بدراہ کرنا ہے۔ لہٰذا جو بھی یہ کام کرے خواہ وہ جن ہو یا انسان وہ شیطان ہے، جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ۔ یعنی جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے (اور گمراہ کرے) وہ شیطان ہے، خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ بڑے شیطان اور ان شیاطین میں یہ فرق ہے کہ وہ ان کا باوا آدم ہے اور باقی اس کی اولاد ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم۔ شیطان نہیں ہے تاکہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہو، بلکہ شیطان جو ان کو گمراہ کرتا ہے اور جہاں تک شیطان و شیاطین کی قدرت کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صرف گناہ کی دعوت دیتے ہیں، اب اس دعوت کو قبول کرنا یا رد کرنا انسان کا اختیاری فعل ہے۔ قرآن سے ثابت ہے کہ شیطان قیامت کے دن اپنے پجاریوں سے کہے گا کہ: لا تلوموني بل لوموا انفسکم...... دعوتك فاستجبتم لی...... میری ملامت نہ کرو بلکہ اپنی ملامت کرو۔ میں نے تو تمھیں گناہ کرنے کی دعوت دی تھی، لیکن تم نے خود کی تھی...... لہٰذا وہ آدمی کو گناہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ دعوت گناہ دینا شیطان کا کام اور قبول کرنا انسان کا کام ہے۔ واللہ الموفق۔

سوال نمبر ۲۹۴: قرآن کریم کی سورہ احزاب آیت ۵۹ کے تحت پیغمبر اکرمؐ کی چار بیٹیاں تھیں، جن میں دو کو یکے بعد دیگرے خلیفہ سوم کے عقد میں دیا، جن کی نہج البلاغہ سے تائید ہوتی ہے۔ وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: پیغمبر اسلامؐ کی ایک بیٹی تھی یا چار بیٹیاں تھیں، یہ تاریخی بات ہے، جس کا دین کے نہ اصول سے کوئی تعلق ہے نہ فروع دین سے۔ قرآن مجید میں جہاں زیادہ بیٹیوں کو بنات کہا گیا ہے وہاں ایک بیٹی کو بھی بنات کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے: حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم...... لہٰذا جس طرح باپ پر زیادہ بیٹیاں حرام ہیں وہاں ایک بیٹی بھی حرام ہے۔ اور نہج البلاغہ میں بھی حقیقی اور ربیبہ بیٹیوں کی وضاحت نہیں ہے۔

سوال نمبر ۲۹۵: سید غیر سید سے افضل ہے۔ یہ منطق قرآن کریم کی کثیر آیات و روایات کے خلاف ہے۔ اگر ایسی کسی حدیث سے استناد کیا جائے تو ممکن ہے کسی فاسق و فاجر شرابی سید نے اپنی فضیلت ہی گھڑی ہو۔ لہٰذا ایسی کوئی حدیث قرآنی آیات اور پیغمبر اکرمؐ کی روایات کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

الجواب باسمہ سبحانہ: ایسی سوچ رکھنے والے شخص کے بارے میں کہا جا سکتا ہے:

قل للذی یدعی فی العلم فلسفة
فضلت شیئا و غابت عنك اشیاء

اگر گہرے غور فکر کے ساتھ قرآن آیات اور معصومی روایات کو پڑھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نسبت کے ادل بدل سے احکام میں اول بدل ہو جاتا ہے۔ مثلاً شرعی حکم یہ ہے کہ فاسق وفاجر آدمی کا احترام نہ کیا جائے۔ لیکن اگر کسی شخص کے ماں باپ فاسق وفاجر ہوں بلکہ اگر کافر بھی ہوں تو وہ اس کے لیے قابل احترام ہیں۔ وصاحبہما فی الدنیا معروفا۔ اسی طرح پیغمبر اسلام کی بیویاں جن کی آپ سے سببی اور عارضی قرابت داری ہے ان کے بارے میں ارشاد قدرت ہے یا نساء النبی لستن کاحد من النساء۔ اے رسول کی بیویو تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ آگے وضاحت موجود ہے کہ اگر تم نیک عمل کروگی تو دوگنا اجر دیا جائے گا اور اگر کوئی برا کام کروگی تو تمھیں سزا بھی دوگنی دی جائے گی...... تو سادات کرام کا تو سرکار محمد و آل محمد علیہم سے خونی اور نسبی قرابتداری ہے تو اس نسبت کی وجہ سے ان کا احترام واکرام کیوں نہیں کیا جائے گا اور ان کا عذاب و ثواب کیوں دوگنا نہ ہوگا۔ جیسا کہ اصول کافی وغیرہ میں اس قسم کے روایات معتبرہ موجود ہیں۔ لمحسننا کفلان من الثواب و لمسیئنا کفلان من العذاب۔

واللہ الہادی

سوالات جناب ضمیر الحسن میر صاحب برمنگھم برطانیہ

سوال نمبر ۱: کہتے ہیں کہ حضرت علی ہر مرنے والے کی قبر میں پہنچیں گے اور اس کے لیے کئی کتابوں سے حوالہ جات بھی دیتے ہیں۔ اس کا عقلی اور قرآنی واحادیث سے جواب سے مستفید فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اس بات کا تذکرہ نہ اللہ تعالیٰ کے قرآن میں ہے اور نہ ہی چہاردہ معصومین علیہم السلام کے فرمان میں ہے۔ تو پھر کس طرح اس غیر معقول بات پر عقیدہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ لوگ تو بہت سی بے بنیاد باتیں کہتے اور کرتے رہتے ہیں۔

سوال نمبر ۲: تمبر کے شمارے میں آپ نے میرے سوال کا جواب قرآن وحدیث سے دیا جس کا شکریہ۔ مزید تسلی کے لیے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں آپ نے جو قرآن کی آیت پارہ نمبر ۱۱ کا ترجمہ بیان فرمایا کہ تم عمل کرو اللہ اس کا رسول اور کامل مومنین بھی تمھارے عمل کو دیکھ رہے ہیں۔ کیا ایسے تو نہیں یہ آیت رسول پاک کی زندگی کے بارے میں ہو، جب وہ زندہ تھے۔ قرآن کی رو سے بھی نبی کو صرف وہ ہی بات غیبی معلوم ہوتی تھی جو اللہ تعالیٰ ان کو بتاتا تھا اور حضرت موسیٰ سے بھی کئی دفعہ لوگوں نے اپنے بارے میں پوچھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی کیا حیثیت ہے۔ اگر ہر روز اعمال ان کے پاس فرشتے پیش کرتے ہیں تو ان کی حیثیت تو نبی کو بھی ان اعمال کی وجہ سے معلوم ہو جاتی ہے، اچھے عمل ہیں تو اچھا مقام اور برے عمل ہیں تو برا مقام۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اصول کافی، بحار الانوار اور بصائر الدرجات وغیرہ کتب معتبرہ سے یہ بات ثابت ہے۔ صبح اور شام کے فرشتے (کراماً کاتبین) ہمارا نامہ اعمال بارگاہ رسالت میں پیش کرتے تھے۔ اس طرح وہ

ہمارے اچھے اور برے اعمال پر مطلع ہوتے ہیں۔ اچھے اعمال دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور اگر برے اعمال دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بعد ازاں یکے بعد دیگرے تمام ائمہ طاہرینؑ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۳: اس وقت دنیا کی آبادی تقریباً سات ارب ہے۔ حضرت محمدؐ کے وقت کروڑوں تھی، تو کس طرح ممکن ہے کہ کروڑوں لوگوں کے چوبیس گھنٹوں کے اعمال ایک نبی کے سامنے پیش ہوں اور وہ لمحوں میں ان کو دیکھ لیں۔ عقل اس کو ماننے سے قاصر ہے۔ مفصل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: دنیا کی آبادی سات ارب ہو یا اس سے کم یا زیادہ، ہر بندے کا نامہ عمل بارگاہ رسالت میں نہ پیش ہوتا ہے اور نہ ہی آپ اسے پڑھتے ہیں، بلکہ صرف امت مرحومہ کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور آج کمپیوٹر کا دور ہے، پہلے جو کتب یا تحریر ہفتوں میں لکھی جاتی تھی آج منٹوں میں لکھی جاتی ہے۔ لہٰذا آنحضرتؐ اگر چند منٹوں میں امت کے اعمال پر طائرانہ نگاہ ڈال لیں تو اس میں کیا اشکال ہے؟

سوال نمبر ۴: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر انسان کے جو نیکی اور بدی کے فرشتے مقرر کیے ہیں وہ ہر روز بدل جاتے ہیں اور وہ بھی دو دفعہ چوبیس گھنٹوں میں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا کس طرح پردہ رکھنا چاہتا ہے اور ایک واقعہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو حکم ہوا کہ فلاں بستی میں ایک گنہگار شخص رہتا ہے، وہ بستی سے نکل جائے ورنہ ساری بستی کو عذاب آئے گا۔ ایک مقررہ تاریخ بھی بتا دی اور حضرت موسیٰؑ نے اعلان بھی کیا۔ مقررہ تاریخ آئی اور چلی گئی۔ بستی سے کوئی شخص بھی نہیں نکلا اور عذاب بھی نہ آیا۔ حضرت موسیٰؑ پریشان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے بات کی تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے معافی مانگ لی ہے اور نیک بندہ بن گیا ہے۔ اس لیے عذاب ٹل گیا ہے۔ اور جب حضرت موسیٰؑ نے اس کا نام پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے انکار کر دیا کہ اس بندہ کو شرمندگی نہ ہو۔ اگر اس کے اعمال روزانہ حضرت موسیٰؑ کے سامنے پیش ہوتے تو اس کا نام پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اس سوال میں جو قیاس کیا گیا ہے وہ قیاس ہونے کے علاوہ مع الفارق بھی ہے، جو قیاس کو جائز جاننے والوں کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ کس نے کہا ہے کہ ہر نبی کی خدمت میں اس کی امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں؟ یہ خصوصیت تو صرف سرکار ختمی مرتبتؐ اور ان کے اوصیاء کی ہے۔ وبس۔

سوال نمبر ۴: ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت کے بغیر یہ دنیا قائم نہیں رہ سکتی اور اس وقت حجت امام مہدیؑ ہیں۔ سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضرت محمدؐ تک کونسی حجت تھی۔ اگر تھیں تو کچھ اللہ تعالیٰ کی ان حجتوں کا نام بتائیں۔ مہربانی ہوگی۔

الجواب باسمہ سبحانہ: ہمارا عقیدہ ہے اور دلائل سے ثابت ہے کہ زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہیں ہوتی، بلکہ الحجۃ قبل الخلق ومع الخلق وبعد الخلق۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ حجت خدا سے مراد کیا ہے۔ حجت خدا نبی ہوتا ہے یا وصی نبی (یعنی امام) اور یہ سلسلہ حضرت آدم سے

شروع ہوا اور قیام قیامت تک برقرار رہے گا۔ چنانچہ جناب عیسیٰ کے بعد ان کے اوصیاء بطور حجت خدا موجود تھے۔ اور جناب ابراہیمؑ کے بعد ان کی اولاد امجاد تھی۔ اور ان اوصیاء کے نام کتاب مرثیات الوحیہ مسعودی اور اثبات الہداۃ شیخ حر عاملی وغیرہ میں مذکور ہیں۔

سوال نمبر ۶: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت بھی امام مہدیؑ آکر لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر مدد کرتے ہیں تو کتنے شیعہ مصیبتوں میں گرفتار ہیں اور کئی شیعہ کے شرعی مسائل ہیں وہ کیوں حل نہیں کرتے جبکہ ائمہ زندہ ہوتے ہیں تو خوشی خوشی ہمارے مسائل حل کرتے تو یہ امام وہ کیوں نہیں کرتے۔ یورپ میں ہم شیعوں میں تین تین مہدی ہوئیں اور نماز جمعہ کے بھی اور دیگر مسائل ہیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: امام زمانہ خود بنفس نفیس تشریف لاکر ہمارے مسائل حل نہیں کرتے بلکہ وہ بارگاہ خداوندی میں ہمارے وسیلہ ہیں۔ ہم ان کے وسیلہ سے بارگاہ خداوندی میں دعا و استدعا کرتے ہیں اور اگر خدا مصلحت دیکھے تو ہماری دعا و استدعا کو قبول کر لیتا ہے اور اگر مصلحت ایزدی نہ ہو بلکہ ہمارا امتحان لینا مقصود ہو تو پھر قبول نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر مصائب وآلام انبیاء کرام پر آتے ہیں اور ان کے بعد ان کے اوصیاء عظام پر اور پھر درجہ بدرجہ اہل ایمان پر۔ واللہ الموفق

سوال نمبر ۷: آپ فرماتے ہیں کہ نبی کی ذات نور اور بشر کا مجسمہ ہیں۔ جسم نور سے اللہ سے لیتے ہیں جسم بشر سے ہم بشروں پہنچاتے ہیں۔ میرا سوال یہ ہے کہ جسم بشر سے اللہ تعالیٰ کو وحی دینے میں مشکل آتی تھی یا نبی کو لینے میں؟

الجواب باسمہ سبحانہ: انبیاء و اولیاء کے نور و بشر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جسم بشری اور انسانی ہوتا ہے اور ان کی روح نورانی ہوتی ہے۔ اگرچہ ہر انسان میں یہ دو چیزیں ہوتے ہیں مگر لطافت و صفائی میں ان حضرات کی شان علیحدہ ہے۔

سوال نمبر ۸: آج کل ہمارے منبروں پر عرفان کا چرچا بہت ہے۔ اس کے بارے میں وضاحت فرماویں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: آج کل منبروں پر جس عرفان بافی کا تذکرہ ہو رہا ہے یہ تصوف کا دوسرا بدلا ہوا نام ہے۔ ع

نیا جال لایا پرانا شکاری

ورنہ در حقیقت تصوف اور عرفان میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی حقیقت کے چٹے بٹے ہیں۔ ہمارے مذہب شیعہ خیرالبریہ میں جو حقیقت تصوف کی ہے وہی حقیقت عرفان کی ہے۔ حذو النعل بالنعل و القذة بالقذة۔

سوال نمبر ۹: ادھر ایک مولانا صاحب نے تقریر کے دوران فرمایا کہ جب حضرت علیؑ کا انتقال ہوا تو انھوں نے اپنا جنازہ بھی خود اٹھایا۔ یعنی ان کی جنازے کی چارپائی تین پائے (سرے) اہل بیتؑ اور اصحاب نے اٹھائے ہوئے تھے، چوتھے پر دیکھا تو حضرت علیؑ نے خود سرا اٹھایا ہوا تھا اور جب لوگ حیران ہوئے تو فرمایا کہ میں ہر میت کے پاس آتا ہوں، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ آج اپنی میت پر نہ آؤں اور کسی کا حوالہ بھی دیا۔

باقی صفحہ ۴۰ پر

اسلام پر سیاست و فلسفہ وتصوف کے اثرات اور

اسلامی فرقوں کی پیدائش کا حال

قسط نمبر ۲

مولانا سید محمد حسنین زیدی برقی

زمین پر اولاد آدم کے لیے ہدایت کا انتظام

زمین پر اولاد آدم کی ہدایت کا انتظام حضرت آدمؑ کے جنت سے باہر آنے کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے آدم کو یہ حکم دیا کہ تم یہاں (جنت) سے چلے جاؤ (اب تمہارے پاس وہیں میری ہدایت پہنچا کرے گی) پس جب بھی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے (تو تم اس کی اطاعت و پیروی کرنا) کیونکہ جو لوگ میری ہدایت پر چلیں گے ان پر (قیامت میں) نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی حزن و ملال ہوگا اور جو لوگ کفر اختیار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہی تو جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہیں گے۔

پس آدم علیہ السلام زمین پر خدا کے سب سے پہلے نبی ہیں جیسا کہ فرمایا:

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

یعنی پھر اس کے رب نے آدم کو برگزیدہ کیا۔ ان کے اجتبیٰ کیا، ان کو مجتبیٰ بنایا، ان پر مہربانی کی اور ان کے لیے ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

لفظ "تاب" کی نسبت جب انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں توبہ کی۔ لیکن جب اس کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے مہربانی کی۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ (توبہ ۹: ۱۱۷)

بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین پر۔ (مفردات القرآن راغب صفحہ ۱۴۸)

اور اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ خدا مجتبیٰ صرف انبیاء و رسل اور ہادیان کو ہی بناتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے ارشاد ہوا:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ (نحل: ۱۲۰-۱۲۱)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ابراہیم لوگوں کے پیشوا، خدا کے فرمانبردار بندے اور باطل سے کترا کے چلنے والے

تھے اور مشرکین میں سے ہرگز نہ تھے، وہ اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے۔ ان کا خدا نے اجتبیٰ کیا تھا، انھیں مجتبیٰ بنایا تھا اور انھیں صراط مستقیم کی ہدایت کی تھی۔

انبیاء کا مجتبیٰ اور مصطفیٰ کا مطلب کیا ہے؟

غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی کتاب تصوف کی حقیقت میں اس بات کو ثابت کرنے کی بہت کوشش کی ہے کہ وحی صرف انبیاء کو کی جاتی ہے کسی اور کو نہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "وحی کا ذکر جبرئیل کے واسطے سے ہو یا براہ راست وہ ہوتی خدا ہی کی طرف سے اور ہوتی تھی صرف نبی کی طرف بعض مقامات میں وحی کو خدا کی طرف سے ہم کلامی کہہ کر بھی پکارا گیا ہے مثلاً سورہ شوریٰ میں ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ

انسانوں کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کے تین طریقے ہیں۔ دو طریقے انبیاء سے مخصوص ہیں اور تیسرا طریق عام انسانوں سے۔ انبیاء کے ساتھ خدا کے کلام کرنے کا طریق یہ ہے کہ کبھی خدا کی وحی بوساطت جبرئیل نبی کے دل میں ڈال دی جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پس پردہ خدا کی باتیں ان تک پہنچ جاتی ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ کے ساتھ ہوا۔ یہ دونوں طریق انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں، باقی رہے غیر از انبیاء (عام انسان) سو ان کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے، جو ان تک خدا کے وہ احکام پہنچاتا ہے۔ جنھیں خدا اپنی مشیت کے مطابق رسول کو دیتا ہے۔ (تصوف کی حقیقت صفحہ ۱۷)

اس آیت میں وحی کے جو تین طریقے یا انسانوں سے کلام کرنے کے جو تین طریقے بیان کیے ہیں یہ تینوں طریقے انبیاء سے کلام کرنے کے ہیں، جیسا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر عثمانی میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ:

ف ۲: کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں:

(ا) بالا واسطہ پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے۔ جیسے حضرت موسیٰ سے کوہ طور پر اور خاتم الانبیاء ﷺ سے لیلۃ المعراج کلام کیا۔

(ب) خداوند تعالیٰ فرشتہ کے واسطہ سے کلام کرے۔ مگر فرشتہ مجسم ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے، بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے۔ اور قبل سے ہی ادراک فرشتہ کا اور صورت کا ہو حواس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ مجسم ہو کر نبی کے سامنے آ جائے اور اس طرح خدا کا کلام و پیام پہنچا دے، جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے۔ اھ (تفسیر عثمانی صفحہ ۶۳۴)

پس اس آیت میں مذکور اللہ کے کلام کرنے کی تینوں طریقے انبیاء علیہم السلام سے ہی مخصوص ہیں۔ جس میں سے ایک استثناء بھی ہے، جسے ہم آگے چل کر حضرت مریم کے ساتھ خدا کے کلام کے بیان میں ذکر کریں گے۔ بہر حال خدا نے دوسرے عام انسانوں سے انبیاء کی تبلیغ کو کلام کرنا نہیں کہا، بلکہ اسے ابلاغ کہا ہے۔

جیسا کہ فرمایا: وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا مذکورہ بیان ہم نے اس لیے لکھا ہے تاکہ غلام احمد پرویز اور ان کے پیرو یہ نہ سمجھتے رہیں کہ قرآن فہمی کے بارے میں ان کا دعویٰ حجت ہے۔

بہر حال اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی برگزیدہ افراد کو عطا کرتا ہے۔ جنھیں نبی یا رسول کہہ کر پکارا جاتا ہے، اس انتخاب کا معیار کیا ہوتا ہے ہم نہیں کہہ سکتے۔ قرآن کریم نے اتنا ہی کہا ہے: وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (۲:۱۰۵، ۳:۷۳، ۴:۳، ۱۰۵:۲)

اس نعمت عظمیٰ کے لیے خدا اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے مختص کر لیتا ہے۔

ہمارے ہاں مشہور ہے کہ:

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اس اجتبا و اصطفا (یعنی وحی کے انتخاب) کے لیے کسی خصوصیت کی ضرورت نہیں تھی۔ خدا جسے چاہتا ہے یونہی اس کے سر پر تاج رکھ دیتا ہے۔ ایسا سمجھ لینا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ (تصوف کی حقیقت صفحہ ۱۷)

پھر وہ اس کے کچھ صفحہ بعد لکھتے ہیں کہ:

خدا کی طرف سے براہ راست علم کہ جسے وحی کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے صرف حضرات انبیاء کرام کو عطا ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی انسان کو ایسا علم نہیں ملتا تھا حضرات انبیاء کرام کی طرف وحی کا یہ سلسلہ حضرت نوح سے شروع ہوا اور حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی پر آ کر ختم ہو گیا۔ (تصوف کی حقیقت صفحہ ۲۰)

معلوم نہیں پرویز صاحب نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح تک آنے والے تمام انبیاء کو کیوں چھوڑ دیا۔ حالانکہ تمام انبیاء کی طرح خود حضرت آدمؑ کے اصطفا کا ذکر بھی خدا نے کیا ہے اور ان کے اجتبا کا ذکر بھی خدا نے کیا ہے۔ خدا کی طرف سے آدم کے اجتبا کا بیان تو سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے، جہاں تک ان کے اصطفیٰ کا تعلق ہے تو خدا نے ان کا ذکر تمام انبیاء و رسل اور ہادیان دین میں سرفہرست کیا ہے۔ جہاں وہ فرماتا ہے کہ:

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: بے شک خدا نے آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور ابراہیمؑ کی آل کو اور عمران کی آل کو سارے جہان سے برگزیدہ کیا ہے جو ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے اپنے مصطفیٰ بندوں کا اجمالی طور پر ذکر کیا ہے۔ ان میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ ہیں۔ جن سے خدا کی ہم کلامی کو ان کے اصطفا اور اجتبا کا بھی قرآن میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور ان کو اپنی طرف سے ہدایت بھیجنے کا واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ سب ان کی نبوت کا واضح ثبوت ہیں۔ پھر حضرت ادریسؑ جو پردادا تھے حضرت نوحؑ کے۔ یعنی حضرت نوحؑ کے والد لمک تھے، ان کے والد

متوشلخ تھے اور ان کے والد حضرت ادریس تھے۔ جن کی نبوت کا قرآن کریم میں خدا نے دوٹوک برملا اور واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۤ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ (مریم: ۵۶۔۵۸)

اور (اے رسول) قرآن میں ادریس کا بھی تذکرہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بڑے سچے (بندے اور) نبی تھے۔ اور ہم نے انھیں بہت اونچی جگہ بلند کر (کے پہنچا) دیا اور یہ انبیاء لوگ جنھیں خدا نے اپنے نعمت سے نوازا آدم کی اولاد میں سے ہیں اور ان کی نسل سے ہیں جنھیں ہم نے (طوفان کے وقت) نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کرلیا تھا۔ اور ابراہیمؑ و یعقوبؑ کی اولاد سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت کی اور ان کا اجتبیٰ کیا اور انھیں مجتبیٰ بنایا۔

پرویز صاحب نے اپنی کتاب "تصوف کی حقیقت" میں حضرت آدم سے لے کر حضرت ادریس تک سارے انبیاء کو نبی ماننے سے اور ان پر وحی آنے سے کیوں انکار کیا؟ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔ بہرحال اس سے ان کے قرآن فہمی کے بارے میں ان کے زعم، ان کے علم اور ان کے دعویٰ کا پتا چل گیا۔

خداوند تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی مذکورہ آیت نمبر ۳۳۔۳۴ میں سارے انبیاء و رسول اور ہادیان دین کا اجمالی طور پر بیان کیا ہے، جو اس طرح ہے کہ پہلے آدمؑ کا ذکر کیا اور پھر حضرت نوح کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کے بعد نوح سے پہلے جتنے نبی آئے، وہ سب نبی تھے، انھیں وحی بھی آتی تھی۔ لیکن وہ رسول نہیں تھے۔ حضرت نوح پہلے نبی ہیں جو نبی ہونے کے ساتھ منصب رسالت پر بھی فائز کیے گئے۔ اور وہ انبیاء اولوالعزم میں سے پہلے اولوالعزم پیغمبر ہیں فرداً فرداً تو میں ان دو ہی انبیاء کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا نام خصوصی طور پر علیحدہ اس آیت میں اس نے نہ لیا۔ کیونکہ ان کے اصطفیٰ کا ابوالانبیاء ہونے کی حیثیت سے علیحدہ طور پر قرآن میں بیان کیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

ترجمہ: اور کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقہ سے نفرت کرے مگر صرف وہی جو اپنے کو احمق بنائے اور بے شک ہم نے دنیا میں بھی ان کو برگزیدہ کیا۔ ان کا اصطفیٰ کیا، ان کو مصطفیٰ بنایا اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

مذکورہ آیت میں خدا نے حضرت ابراہیمؑ کا علیحدہ طور پر مصطفیٰ ہونا بیان کرچکا تھا۔ مگر چونکہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد خدا نے یہ فیصلہ کردیا تھا کہ اب کوئی نبی یا رسول ابراہیمؑ کی اولاد کے سوا کسی اور کی اولاد میں سے نہ ہوگا۔ لہٰذا خدا نوح کے بعد ابراہیمؑ کی آل کا ذکر لایا ہے۔

حضرت نوحؑ کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی اور ان کی آل کا علیحدہ سے ذکر اس لیے بھی کیا کیونکہ نوحؑ کے بعد

وہ پہلے نبی اور رسول ہیں جنھیں نبوت و رسالت کے ساتھ منصب امامت پر بھی فائز کیا۔ جیسا کہ فرمایا:

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمالیا اور انھوں نے انھیں پورا کردیا، تو خدا نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی: اور میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا) فرمایا: ہاں مگر میرے اس عہد سے ظالموں میں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائے گا۔

پس حضرت نوحؑ کے بعد آل ابراہیم کا ذکر اس لیے کیا کیونکہ آل ابراہیم میں نبوت و رسالت کے علاوہ امامت بھی جاری ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا:

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا عنایت فرمایا۔ اور ہم نے سب کو نیک بخت بنایا اور ہم نے ان سب کو لوگوں کا امام بنایا جو ہمارے حکم سے ان کو ہدایت کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان کے پاس نیک کام کرنے، نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کی وحی بھیجی تھی اور یہ سب کے سب ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

اور سورۂ سجدہ میں حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے بارے میں اس طرح فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۳﴾ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ۟ وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: یعنی اے رسول ہم نے موسیٰؑ کو بھی آسمانی کتاب (توراۃ) عطا کی تھی تو تم بھی اس (کتاب قرآن) کے (خدا کی طرف سے) ملنے کے بارے میں شک میں نہ رہو۔ اور ہم نے اس (توریت) کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت قرار دیا ہے (اسی طرح قرآن کو تمھاری امت کے لیے ہدایت قرار دیا ہے) اور ان (بنی اسرائیل) میں سے ہم نے کچھ لوگوں کو جنھوں نے مصیبتوں میں صبر کیا تھا امام و پیشوا بنایا تھا، جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور ہماری آیتوں کا دل سے یقین رکھتے تھے (اس طرح ہم تیری امت میں امام و پیشوا بنائیں گے جو لوگوں کو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کریں گے۔)

(باقی آئندہ)

باب المتفرقات

نقش زندگانی امام حسن مجتبیٰؑ

تحریر علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

یکم ذی الحجہ ۲ھ کو مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کا عقد صدیقہ طاہرہ حضرت فاطمہؑ سے ہوا اور اس کے تقریباً ساڑھے نو ماہ بعد ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں امام حسن کی ولادت باسعادت ہوئی۔ جس کے بارے میں جناب ام الفضل نے یہ خواب دیکھا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کا ایک ٹکڑا میری گود میں آگیا ہے اور سخت پریشان تھیں کہ رسول اکرمؐ نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ عنقریب میری بیٹی فاطمہؑ کے یہاں فرزند پیدا ہونے والا ہے اور اس کی تربیت کا شرف تمہیں حاصل ہوگا۔

ولادت کے موقع پر نام رکھنے کی رسم میں نہ حضرت علیؑ نے سبقت کی اور نہ حضرت زہراؑ نے۔ خود رسول اکرمؐ نے بھی وحی الٰہی کا انتظار کیا اور جبریل امین یہ پیغام الٰہی لے کر آئے کہ علیؑ بمنزلہ ہارون ہیں تو ان کے فرزند کا نام ہارون کے فرزند کے نام پر شبر رکھ دو یا عربی زبان کے اعتبار سے حسن اور اس طرح زہراؑ کے اس پہلے فرزند کا نام حسنؑ طے ہوگیا اور یہ نام خزانہ قدرت سے عطا کیا گیا تھا کہ اس سے پہلے یہ نام کسی کا نہ تھا۔

القاب میں زکی، سبط رسول اور شبیہ رسول "سید" مشہور لقب ہے۔

کنیت ابو محمد ہے۔ جس کا تذکرہ مسلسل روایات اور زیارات میں وارد ہوا ہے۔

ولادت کے بعد پہلی غذا رسول اکرمؐ کی زبان مبارک سے حاصل کی جو ظاہری اعتبار سے اثرات رسالت کے منتقل کرنے کا ایک ذریعہ تھی۔

عقیقہ کی رسم بھی رسول اکرمؐ نے ادا کی اور اس طرح اسلام میں اس مبارک رسم یا سنت رسول کا آغاز ہوگیا۔

امام حسن مجتبیٰ کی ولادت کا زمانہ وہ تھا جب مسلمان جنگ احد کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اس طرح آپ نے عام بچوں کی اعتبار سے لاشعوری دور میں اور امامت کے اعتبار سے مکمل طور پر شعوری اعتبار سے سب سے پہلے "اصحاب باوفا" کی بے وفائی کا سامنا کیا۔ جہاں رسول اکرمؐ میدان میں تقریباً تنہا کھڑے تھے اور مال غنیمت کے لالچیوں نے انھیں فوج دشمن کے حوالے کرکے اپنی جان بچالی تھی اور انھیں متعدد زخموں کی اذیت بھی برداشت کرنا پڑی تھی اور پھر یہی نقش اول آپ کی زندگی کا نقش آخر بھی بن گیا۔

۳ھ کی جنگ احد کے بعد امام حسنؑ نے ۵ھ میں جنگ احزاب کا مشاہدہ کیا، جہاں اصحاب کی یہ

کمزوری اور بزدلی دیکھنے میں آئی کہ حضرت علیؑ کی تلوار اور ان کی جرأت شیرانہ نہ ہوتی تو رسول اکرمؐ کی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا اور کل کفر کل اسلام پر غالب آجاتا۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی اور اس میں اصحاب کا یہ طرز عمل دیکھنے میں آیا کہ یہ پہلے صلح کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں کہ اس طرح جان بچنے کا راستہ نکل آتا ہے اور اس کے بعد صاحب منصب کے منصب میں بھی شک کرنے لگتے ہیں۔ یہ بھی امام حسنؑ کی زندگی کا ایک المیہ تھا جس سے آپ کو خود اپنے دور میں بھی دوچار ہونا پڑا۔

۷ھ میں جنگ خیبر ہوئی، وہاں بھی یہ منظر سامنے آیا کہ علیؑ کی شجاعت کا سہارا نہ ہوتا تو تاریخ اسلام میں فرار کے علاوہ کوئی داستان نہ ہوتی اور یہودی ہمیشہ کے لیے اسلام اور مسلمانوں کے سر پر سوار ہو جاتے۔

۸ھ میں فتح مکہ کا منظر سامنے آیا، جہاں مصلحۃً ابوسفیان اور معاویہ نے اسلام قبول کر لیا اور امام حسنؑ نے منافقین کا بھی ایک مجمع دیکھ لیا۔

۹ھ میں اسلام کے صداقت کے معرکہ میں پہلے پہل امام حسنؑ نے براہ راست شرکت کی اور سب سے آگے آگے رہے۔ یہ معرکہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان تھا۔ جسے مباہلہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ امام حسنؑ کم سنی کی بنا پر رسول اکرمؐ کی انگلی پکڑ کر چل رہے تھے یا رسول اکرمؐ قوم کو سمجھا رہے تھے کہ آج میں اسے سہارا دے رہا ہوں، کل یہ میرے دین اسلام کو سہارا دے گا۔

۱۰ھ میں رسول اکرمؐ نے آخری حج فرمایا جس کی واپسی پر مقام غدیر میں حضرت علیؑ کی مولائیت کا اعلان کیا اور صحابہ کرام نے بشمول حضرت عمر اس مولائیت کی مبارکباد پیش کی اور امام حسنؑ نے ظاہرداری کی ایک نئی رسم کا مشاہدہ کیا۔

۱۱ھ میں ۲۸ صفر کو رسول اکرمؐ نے انتقال فرمایا اور امام حسنؑ اپنی زندگی کے پہلے عظیم حادثہ سے دوچار ہوئے جس کے بعد یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ لاکھوں اصحاب کا پیغمبرؐ بستر مرگ پر ہے اور کوئی غسل و کفن میں حاضری دینے والا نہیں ہے اور جنازہ میں مخصوص افراد کے علاوہ کوئی نہیں ہے اور اس طرح امام حسنؑ نے زندگی میں چاہنے والوں کے برتاؤ کے ساتھ مرنے کے بعد بھی مخلصین کا سلوک دیکھ لیا۔

اسی ۱۱ھ میں رسول اکرمؐ کے انتقال کے ۷۵ یا ۹۵ دن کے بعد مادر گرامی کی شہادت کا المیہ برداشت کیا۔ جہاں حق فدک سے محرومی، دروازہ پر آگ کے شعلے، پہلو پر دروازہ گرنے اور محسنؑ کی شہادت کا منظر بھی دیکھا اور بجز صبر کوئی اقدام نہ کر سکے کہ ذمہ دار مذہب حضرت علیؑ موجود تھے اور اقدامات کے بارے میں انہی کو فیصلہ کرنا تھا اور اس طرح امام حسنؑ نے سخت ترین حالات میں بھی صبر و سکوت کی پالیسی کا مشاہدہ کیا، جس کو حوصلہ انہیں قدرت نے روز اول ہی امامت کے منصب کے ساتھ عطا کر دیا تھا۔

اس سات سال کے وقفہ میں امام حسنؑ کے مختلف کارنامے دیکھنے میں آئے اور ان مختلف فضائل و کمالات کا اظہار ہوتا رہا۔ مثال کے طور پر:

① آپ رسول اکرمؐ کے موعظہ کی ترجمانی صدیقہ

طاہرہؑ سے کیا کرتے تھے اور ایک دن حضرت علیؑ بھی پس پردہ اس ترجمانی کے سننے میں شریک ہوئے تو امام حسنؑ کے بیان میں فرق آگیا اور عرض کرنے لگے کہ مادر گرامی آج زبان میں وہ روانی نہیں ہے جو پہلے تھی، ایسا لگتا ہے کہ کوئی سردار مجھے دیکھ رہا ہے۔

② رسول اکرمؐ کے سامنے صدقے کے خرمے رکھے تھے، امام حسنؑ کی نظر پڑ گئی، تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ: بیٹا! کیا تمھیں نہیں معلوم ہے کہ صدقہ ہم اہل بیتؑ پر حرام ہے۔ جس سے علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ استنباط کیا ہے کہ امام حسنؑ آغوش مادر سے لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

واضح رہے کہ اس روایت میں خرمہ کے منہ میں رکھ لینے کا بھی ذکر ہے جو شان امامت کے بجائے شان واضعین حدیث کے لیے زیادہ سازگار امر ہے۔

③ بعض روایات کی بنا پر آپ سجدہ کی حالت میں پشت رسول پر آگئے تو آپ نے سجدہ کو طول دیدیا اور پشت سے اتارنا گوارا نہ کیا۔

④ بعض روایات کی بنا پر آپ مسجد میں آکر گر پڑے تو رسول اکرمؐ نے خطبہ کو قطع کر کے منبر سے اتر کر آپ کو اٹھا لیا اور فرمایا کہ یہ میرا فرزند سید ہے۔

⑤ اسی مختصر سی عمر میں رسول اکرمؐ نے آپ کی سیادت و سرداری کا بھی اعلان کیا، آپ کو جوانان جنت کا سردار بھی قرار دیا اور آپ کو لفظ امام سے بھی یاد کیا اور آپ کو اپنا ایک جزء بھی قرار دیا۔

⑥ آپ جس طرح میدانِ مباہلہ میں سب سے آگے رکھے گئے تھے اسی طرح زیر کساء یمانی جمع ہونے والے افراد میں بھی آپ سب سے پہلے نانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، جس کے بعد خدائے کریم نے اہل بیتؑ کی عصمت و طہارت کا اعلان فرمایا تھا۔

⑦ آپ کو مباہلہ کے میدان میں رسول اکرمؐ نے اپنی رسالت و صداقت کے گواہ کے طور پر پیش کیا تو صدیقہ طاہرہؑ نے مسئلہ فدک میں اپنے والد محترم کی طرف سے فدک کے ہبہ ہونے کی گواہی میں پیش کیا۔ جب کہ فدک ہبہ کے موقع پر آپ کی عمر بہت سے بہت چار برس کی ہوگی لیکن واضح سی بات ہے کہ جو شخص چھ برس کی عمر میں رسالت کی گواہی دے سکتا ہے وہ چار برس کی عمر میں ہبہ کا گواہ کیوں نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اس کو گواہی کا اہل کیوں نہیں ہوسکتا ہے۔

⑧ اسی زمانے میں آپ نے بروایت صواعق محرقہ حاکم وقت ابوبکر کو منبر پر دیکھ کر ٹوک دیا تھا اور فرمایا تھا کہ میرے باپ کے منبر سے اتر آ اور اپنے باپ کا منبر تلاش کر۔ اس طرح اپنے فرزند رسول یا اپنے پدر بزرگوار کے صاحب منبر ہونے کا اعلان کر دیا تھا جس کی جرأت عام انسانوں اور بالخصوص بچوں کے لیے ناممکن ہے۔

⑨ اسی زمانے میں بروایت اسد الغابہ آپ رسول اکرمؐ کے کاندھے پر تھے کہ کسی صحابی نے مبارکباد دی کہ کیا اچھی سواری ہے؟ تو رسول اکرمؐ نے ٹوک کر فرمایا یہ کہو کہ کیا اچھے سوار ہیں اور اس طرح صحابی پر یہ واضح کر دیا کہ اسلام میں سواری بن جانا شرف نہیں ہے سوار

دوش رسول بن جانا شرف ہے اور:

ایں سعادت بزور بازو نیست

علم امام حسنؑ

① بچپنے کا زمانہ تھا۔ ابوبکر کا دور خلافت تھا، ایک شخص نے خلیفۃ المسلمین سے سوال کیا کہ حالت احرام میں شترمرغ کے انڈے کھا لیے ہیں تو کیا کفارہ دینا ہوگا؟ آپ نے مسئلہ کو عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے کر دیا۔ اس نے سنگینی مسئلہ کو دیکھ کر اسے حضرت علیؑ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے امام حسنؑ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ امام حسنؑ نے فرمایا کہ اونٹنیوں پر اتنی ہی مقدار میں اونٹ چھوڑ دیے جائیں اور جو بچے پیدا ہوں انھیں خانہ خدا کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ فرزند بعض انڈے خراب بھی تو ہو سکتے ہیں۔ عرض کیا بے شک۔ لیکن بعض حمل ضائع بھی تو ہو سکتے ہیں۔

(مناقب ابن شہر آشوب)

② حضرت علیؑ مقام رحبہ میں تھے، ایک شخص نے آ کر اظہار خلوص کیا۔ فرمایا تو میرا دوست نہیں ہے، معاویہ کا جاسوس ہے اور اس سے بادشاہ روم نے چند سوالات کیے ہیں۔ وہ ان کے جوابات سے عاجز تھا تو اس نے تجھے یہاں روانہ کیا ہے اور پھر امام حسنؑ کو جواب دینے کا حکم دیا۔ سوالات یہ تھے:

① حق و باطل کا فرق کیا ہے؟

② زمین و آسمان کا فاصلہ کیا ہے؟

③ مشرق و مغرب کی مسافت کتنی ہے؟

④ خنثی کسے کہتے ہیں اور اس کی شناخت کا ذریعہ کیا ہے؟

⑤ وہ دس اشیاء کون سی ہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے سے قوی تر ہے؟

آپ نے بالترتیب فرمایا کہ:

① حق و باطل کا فاصلہ چار انگشت کے برابر ہے کہ جسے اپنی آنکھ سے دیکھا وہ حق ہے اور جسے صرف سنا وہ ناقابل اعتبار ہے۔

② زمین و آسمان کا فاصلہ بقدر آہ مظلوم ہے کہ اس فاصلہ کو وہی طے کر سکتی ہے اور بس۔

③ مشرق و مغرب کا بعد بقدر سیر آفتاب ہے کہ وہ ایک دن میں یہ فاصلہ طے کر لیتا ہے۔

④ خنثی اس انسان کو کہتے ہیں جس کے مرد و عورت ہونے کا معاملہ مشتبہ ہو۔ اس کا پہلا حل یہ ہے کہ جوانی میں اعضاء و جوارح کی ساخت دیکھی جائے۔ وہ بھی غیر واضح ہو تو پھر پیشاب کرنے کا انداز دیکھ کر اس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

⑤ دس اشیاء میں ایک سخت شے پتھر ہے جس سے شدید تر وہ لوہا ہے جو اسے توڑ دیتا ہے، اور اس سے قوی تر وہ آگ ہے جو اسے پگھلا دیتی ہے، اور اس سے قوی پانی ہے جو اسے بجھا دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ بادل ہے جو اسے اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے طاقتور وہ ہوا ہے جس کے کاندھوں پر یہ بادل رہتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتہ ہے جو ہوا کو حرکت دیتا ہے اور اس سے قوی تر وہ فرشتہ موت ہے جو اسے بھی موت دے دے گا اور اس سے قوی تر وہ موت ہے جس سے وہ بھی نہ بچ سکے گا اور اس سے قوی تر وہ حکم خدا ہے جو موت پر بھی حکمرانی کرتا ہے۔

امام حسنؑ نے ان جوابات میں عظیم ترین علمی، سیاسی اور اجتماعی نکات پائے جاتے ہیں جن میں آپ نے ہر جواب سے معاویہ کو ایک اہم مسئلہ کی طرف متوجہ کرنا چاہا ہے تاکہ وہ ہدایت یافتہ ہو سکے تو کم سے کم اپنی طرف سے اتمام حجت کا فریضہ ادا ہو جائے۔

مثال کے طور پر حق و باطل کے فاصلہ میں سماعت اور بصارت کا حوالہ دے کر اس امر کو واضح کرنا چاہا ہے کہ ہمارے پاس جو سیرت رسول ہے وہ ہمارے مشاہدہ کی بنیاد پر ہے اور تیرے پاس جو سیرت ہے وہ صرف سنی سنائی ہے اور سنی سنائی کا اعتبار مشاہدہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اصل ہمارا دین اور ہمارا مذہب ہے۔

زمین و آسمان کے فاصلہ میں آہ مظلوم کا حوالہ دے کر اس بات کا اعلان کیا ہے کہ آہ مظلوم ظالموں کے کانوں تک پہنچے یا نہ پہنچے آسمان اور عرش خدا تک بہر حال پہنچ جاتی ہے۔

قوی ترین اور شدید ترین اشیاء کی ترتیب و تدریج سے اس امر کا اعلان کیا ہے کہ تیرے اختیار میں صرف لوہا، پتھر اور آگ یا پانی ہے اور میرے اختیار میں وہ امر خدا ہے جو ہر صاحب امر کے اختیار میں رہتا ہے اور جس سے زیادہ قوی تر کوئی شے نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے صاحب اختیار کو مجبور سمجھ کر اس کی طاقت سے مقابلہ کرنا جہالت، سفاہت اور حماقت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

۲ بادشاہ روم نے حضرت علیؑ اور معاویہ کے اختلافات کا ذکر سنا تو چاہا کہ دونوں کے نمائندوں کو بلا کر صورتِ حال کا اندازہ کرے۔ چنانچہ اس نے فریقین کے نمائندے طلب کیے۔ معاویہ نے یزید کو بھیجا، اور امیر المومنینؑ نے امام حسنؑ کو۔ یزید نے بادشاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسنؑ نے شکر پروردگار ادا کیا۔ اس نے چند تصویریں نکالیں، جن کا کوئی شناخت کرنے والا نہیں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جناب آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور جناب شعیبؑ کی تصویریں ہیں۔ ایک تصویر کو دیکھ کر رو دیے کہ یہ میرے جد بزرگوار کی تصویر ہے۔ جس پر بادشاہ روم نے عجیب و غریب سوال کیا کہ وہ کون سی مخلوق ہے جو بغیر ماں باپ اور نر و مادہ کے پیدا ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ سات مخلوقات ہیں: ۱ جناب آدمؑ ۲ جناب حوا ۳ فدیہ اسماعیلؑ کا دنبہ ۴ جناب صالحؑ کا ناقہ ۵ جناب موسیٰ کا اژدہا ۶ ابلیس ۷ وہ کوا جس نے قابیل کو دفن کا طریقہ سکھایا تھا۔ جس پر بادشاہ روم بے حد خوش ہوا اور اس نے آپ کو تحفہ و تحائف کا نذرانہ پیش کیا۔ (تفسیر علی بن ابراہیم قمی)

فرمان امیر المومنین علیہ السلام

حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا: مَا مِنْ مُؤْمِنٍ وَ لَا مُؤْمِنَةٍ يَضَعُ يَدَهُ عَلَىٰ رَأْسِ يَتِيمٍ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مَرَّتْ يَدُهُ عَلَيْهَا حَسَنَةً۔

کوئی بھی مومن مرد یا عورت جب اپنا ہاتھ یتیم کے سر پر رکھتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لیے ہر بال کے بدلے ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔

(میزان الحکمۃ ۲۲۵۸۰)

باب المتفرقات

مولائے کائناتؑ کی شہادت

حجۃ الاسلام مولانا مفتی جعفر حسین صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ

۴۰ھ میں جنگ نہروان کے چند بچے کھچے خوارج نے مکہ میں اجتماع کیا اور نہروان کے کشتوں پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے بھائی بندوں کے خون کی ذمہ داری علی معاویہ اور عمرو بن عاص پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا ان تینوں کو قتل کرکے ہمیں اپنے کشتوں کا انتقام لینا چاہیے۔ ان خوارج کی رگوں میں انتقامی خون تو کھول ہی رہا تھا، سب نے اس پر اتفاق کیا اور برک بن عبداللہ صریمی نے معاویہ کو، عمرو بن بکر تمیمی نے عمرو بن عاص کو اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی کو قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا اور یہ طے کیا کہ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت حملہ ہونا چاہیے تاکہ ان میں سے ایک کو دوسرے کی خبر نہ ہونے پائے ورنہ ایک کے قتل کی خبر دوسروں کو چوکنا و ہوشیار کر دے گی اور وہ حفاظتی تدابیر عمل میں لاکر اس تجویز کو ناکام بنا دیں گے۔ چنانچہ دن اور وقت کی تعیین کرکے برک بن عبداللہ دمشق کی طرف، عمرو بن بکر مصر کی طرف اور عبدالرحمٰن بن ملجم کوفہ کی طرف چل دیا۔

اس خطرناک کام کے لیے ماہ رمضان کی انیسویں شب اور نماز صبح کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ برک بن عبداللہ مقررہ تاریخ پر جامع دمشق آیا، اور جب صبح کی جماعت کھڑی ہوئی تو وہ پہلی صف میں معاویہ کے عقب میں کھڑا ہو گیا۔ جب معاویہ رکوع کے لیے جھکے تو اس نے تلوار کا وار کیا، جو انکے عقبی حصہ پر پڑا، گھاؤ معمولی تھا، چند دنوں میں بھر گیا اور حملہ آور کو گرفتار کر لیا گیا۔

عمرو بن بکر انیسویں شب کو جامع مصر میں آکر ٹھہرا، تاکہ صبح کی نماز میں ابن عاص کو قتل کرے۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ عمرو بن عاص قولنج کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا اور اس نے اپنی جگہ خارجہ بن حذافہ سہمی کو نماز پڑھانے کے لیے بھیج دیا۔ عمرو بن بکر اندھیرے میں پہچان نہ سکا۔ اور اس نے خارجہ کو عمرو بن عاص سمجھ کر قتل کر دیا۔ لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور جکڑ باندھ کر عمرو بن عاص کے پاس لائے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ابن عاص کے بجائے خارجہ اس کے ہاتھ سے قتل ہوا ہے، تو اسے اپنی ناکامی پر افسوس ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ عمرو بن عاص نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے مجھے قتل کرنا چاہا تھا۔ مگر تیر قضا کا رخ خارجہ کی طرف مڑ گیا اور تم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر خارجہ کے خون کے عوض اسے قتل کر دیا گیا۔

عبدالرحمٰن بن ملجم آخر ماہ شعبان میں کوفہ آیا اور محلہ بنی کندہ میں خوارج کے ہاں قیام کیا۔ مگر کسی کو اپنے خطرناک ارادہ سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور نہ اپنے

طرز عمل سے اپنے موقف کو مشکوک ہونے دیا۔ اس اثناء میں اس کی ملاقات ایک خارجیہ عورت قطام بنت اخضر تمیمیہ سے ہوئی، وہ اسے دیکھتے ہی فریفتہ ہوگیا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ بے شوہر کے ہے تو اس سے نکاح کی خواہش کی۔ قطام کا باپ اور بھائی جنگ نہروان میں مارے گئے تھے اور وہ حضرت علیؑ سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ اس خواستگاری سے اس کے دل میں انتقام کی افسردہ آگ پھر سے بھڑک اٹھی اور اسے کامیابی کی جھلک نظر آنے لگی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ میں راضی ہوں، مگر میرا مہر تین ہزار درہم ایک غلام ایک کنیز اور علی بن ابی طالبؑ کا قتل ہے۔ ابن ملجم اس جرم کے ارتکاب پر تلا ہوا تھا۔ ایک تو وہ اسی مقصد سے آیا تھا اور دوسرے اس مقصد کے پیچھے ایک اور قوی محرک کارفرما ہو چکا تھا۔ مگر بظاہر اس پر حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ علیؑ کو قتل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ قطام نے کہا کہ تم اچانک حملہ کرکے ان کا کام تمام کرسکتے ہو۔ اگر تم کامیاب ہوگئے تو بہتر ورنہ وہ ثواب آخرت تو کہیں نہیں گیا جس کے تم بہرحال مستحق ہوگے۔ ابن ملجم نے جب دیکھا کہ قطام اس کے خیالات ونظریات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے تو کہا کہ میں اسی ارادہ سے یہاں آیا ہوں اور علیؑ کو قتل کرکے نہروان کے کشتوں کا انتقام لینا چاہتا ہوں۔ قطام نے کہا کہ پھر ہمت وجرأت سے کام لو اور میں اپنے قبیلہ کے قابل اعتماد لوگوں سے کہوں گی کہ وہ اس سلسلہ میں تمہاری مدد کریں۔ چنانچہ اس نے وردان بن مجالد کو اس کی مدد کے لیے آمادہ کیا اور ابن ملجم نے شبیب بن بجرہ اشجعی کو اپنا معاون اور اشعث بن قیس کو اپنا ہمراز بنا لیا اور حملہ کے لیے دن اور وقت کا انتظار کرنے لگا۔

امیرالمومنینؑ اس ماہ رمضان میں باری باری اپنی اولاد اور عبداللہ بن جعفر کے ہاں روزہ افطار فرماتے، غذا بہت کم ہو چکی تھی، چند لقموں پر اکتفاء کرتے اور پوچھا جاتا تو فرماتے:

احب ان یاتینی امر اللہ وانا خمیص

(تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۵)

"میں چاہتا ہوں کہ جب میری موت آئے تو میں خالی شکم ہوں"۔

انیسویں شب کو حضرت اپنی دختر جناب ام کلثوم کے ہاں تشریف فرما تھے، انھوں نے جو کی دو روٹیاں ایک پیالہ دودھ کا اور ایک طشتری میں نمک رکھ کر پیش کیا۔ آپ نے اس کھانے کو دیکھا تو فرمایا کہ: "میں نے رسول اللہؐ کی پیروی میں کبھی گوارا نہیں کیا کہ ایک وقت میں دسترخوان پر دو قسم کی چیزیں ہوں۔ اے بیٹی دنیا کے حلال میں حساب ہے اور حرام میں عقاب۔ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ تمہارا باپ دیر تک موقف حساب میں کھڑا رہے۔ ان دو چیزوں میں سے ایک چیز اٹھا لو"۔

جناب ام کلثوم نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا، اور آپ نے چند لقمے نمک کے ساتھ تناول فرمائے۔ کھانے سے فارغ ہوکر حسب معمول مُصلائے عبادت پر کھڑے ہوگئے۔ مگر آج بار بار صحن میں نکلتے، آسمان پر نظر کرتے اور ڈوبتے اور جھلملاتے ہوئے ستاروں کو دیکھتے اور فرماتے:

واللہ ما کذبت و لا کذبت و انہا اللیلۃ التی وعدت بہا۔

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴)

"خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا اور نہ مجھے غلط بتایا گیا ہے، یہی وہ رات ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے"۔

آپ کرب و اضطراب کی حالت میں کبھی سورۃ یٰسین کی تلاوت کرتے، کبھی انا للہ و انا الیہ راجعون اور کبھی لاحول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھتے اور کبھی کہتے: اللھم بارک لی فی الموت۔ "خدایا موت کو میرے لیے بابرکت قرار دے"۔

ام کلثوم نے یہ کیفیت دیکھی تو عرض کیا کہ بابا آج آپ اتنے پریشان حال کیوں ہیں۔ فرمایا کہ بیٹی آخرت کی منزل درپیش ہے اور میں اللہ کی بارگاہ میں جانے والا ہوں۔

ام کلثوم نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا کہ: بابا آج آپ مسجد میں تشریف نہ لے جائیں۔ جعدہ بن ہبیرہ موجود ہیں، انھیں حکم دیجیے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ فرمایا: لا مفر من قضاء اللہ۔ "قضائے الٰہی سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے"۔ ابھی کچھ رات باقی تھی کہ ابن نباج موذن نے حاضر ہو کر نماز کے لیے عرض کیا۔ حضرت مسجد کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب صحن خانہ میں آئے تو گھر میں پلی ہوئی بطوں نے پر پھڑپھڑائے اور چیخنے چلانے لگیں۔ کسی نے ان بطوں کو ہٹانا چاہا تو فرمایا کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو، ابھی کچھ دیر کے بعد نوحہ و بکا اور نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہوں گی۔ امام حسنؑ یا ام کلثوم نے عرض کیا کہ بابا آج آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ فرمایا کلمہ حق تھا جو میری زبان پر جاری ہو گیا ہے۔ پھر حضرت نے ام کلثوم سے فرمایا کہ بیٹی یہ بے زبان جانور ہیں، ان کے آب و دانہ کا خیال رکھنا اور اگر ایسا نہ کر سکو تو انھیں رہا کر دینا، تاکہ یہ زمین میں چل پھر کر اپنا پیٹ پال سکیں۔

جب دروازہ کے قریب پہنچے تو پٹکا کمر میں کس کر باندھا اور احیحہ انصاری کے یہ دو شعر پڑھے:

اشدد حیا زیمک للموت
فان الموت لاقیکا

موت کے لیے کمر کس لو اس لیے کہ موت تمھارے سامنے آنے والی ہے۔

و لا تجزع من الموت
اذا حل بوادیکا

جب موت تمھارے ہاں ڈیرے ڈالے تو اس پر بیتابی کا مظاہرہ نہ کرو۔

ام کلثوم نے آنسو بہاتے ہوئے باپ کو الوداع کہا۔ امام حسنؑ نے چاہا کہ مسجد تک حضرت کے ہمرکاب جائیں۔ مگر آپ نے منع کر دیا۔ جب مسجد میں تشریف لائے تو مسجد تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ نے اندھیرے میں چند رکعات نماز پڑھی اور تعقیبات سے فارغ ہوئے تو خونریز سحر نمودار ہو چکی تھی۔ آپ گلدستہ اذان پر تشریف لے گئے اور صبح کی اذان دی یہ آپ کی آخری اذان تھی جو مسجد سے بلند ہوئی اور کوفہ کے ہر گھر میں سنی گئی۔ اذان کے بعد الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز صبح کے لیے بیدار کرنے لگے۔ انہی لوگوں میں ابن

ملجم بھی تھا۔ آپ نے اسے اوندھا لیٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شیطان کے سونے کا انداز ہے، داہنی کروٹ سو، جو مومنین کا شعار ہے، یا بائیں کروٹ لیٹ جو حکماء کا طریقہ ہے، یا پیٹھ کے بل سو جو انبیاء کا طرزِ عمل ہے۔ اٹھ نماز پڑھ، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ تو کس ارادہ سے آیا ہے اور کیا چیز زیرِ دامن چھپائے ہوئے ہے۔

حضرت لوگوں کو بیدار کرنے کے بعد محراب عبادت میں کھڑے ہو گئے اور جب فافلہ صبح کی پہلی رکعت کے سجدہ سے سر اٹھایا تو شبیب بن بجرہ نے تلوار سے حملہ کیا۔ مگر تلوار ستون مسجد سے ٹکرائی اور اس کا وار ناکام رہا۔ پھر ابن ملجم نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار سر پر ماری، جس سے فرق مبارک شگافتہ ہو گیا۔ آپ نے بے ساختہ فرمایا: بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ فزت و رب الکعبۃ۔ ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ لوگو! مجھے یہودیہ کے بیٹے ابن ملجم نے قتل کر ڈالا ہے''۔

امام بمنزلہ روح کائنات اور جان عالم ہوتا ہے۔ جب جان پر بنتی ہے تو اعضاء متاثر و مضمحل ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ چنانچہ اس موقع پر آسمان کانپا زمین لرزی مسجد کے دروازے آپس میں ٹکرائے اور زمین و آسمان کے درمیان یہ آواز گونجی:

تہدمت و اللہ ارکان الہدی قتل ابن عم المصطفی قتل الوصی المجتبی قتل علی المرتضی۔

''خدا کی قسم رکن ہدایت گر گئے، ابن عم رسول قتل کر دیے گئے، وصی پیغمبر مارے گئے، علی مرتضیٰ شہید کر دیے گئے''۔

اس آواز نے کوفہ کی آبادی کو لرزا دیا۔ تمام شہر کانپ اٹھا۔ لوگ جوق در جوق گھروں سے باہر نکل آئے۔ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام سراسیمہ و پریشان حال مسجد کی طرف دوڑے، جہاں لوگ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے کہ ''امیرالمومنین'' شہید کر دیے گئے۔ فرزندان رسول نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ محراب مسجد لہو سے تر ہے اور حضرت خاک و خون میں پڑے لوٹ رہے ہیں اور مٹی اٹھا اٹھا کر فرق مبارک پر ڈالتے اور اس آیت کی تلاوت فرماتے جاتے ہیں:

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ۔

''ہم نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور زمین کی طرف پلٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ نکالیں گے''۔

امیرالمومنین کے چہرہ و سر کو خون میں رنگین دیکھ کر امام حسنؑ نے گلوگیر آواز میں کہا کہ بابا آپ کا خون کس نے بہایا ہے۔ حضرت نے سر اٹھا کر حسنؑ کو دیکھا اور فرمایا بیٹا پہلے نماز ادا کرو۔ چنانچہ امام حسنؑ نے نماز پڑھائی اور خود حضرت نے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت کو محراب مسجد سے صحن میں لایا گیا۔ اس متوحش خبر کو سن کر لوگ سمٹ کر مسجد میں جمع ہو چکے تھے۔ ہر چشم اشکبار اور ہر دل غم سے فگار تھا۔ امام حسنؑ نے قاتل کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا مجھے ابن ملجم مرادی نے قتل کیا ہے اور باب کندہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ابھی اس دروازہ سے اسے لایا چاہتے ہیں۔ اتنے

میں باب کندہ کی طرف سے شور اٹھا اور ابن ملجم گرفتار کر کے لایا گیا۔ مجمع غم وغصہ سے بے قابو ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے غیظ وغضب کی چنگاریاں نکل رہی تھیں اور ہر شخص اس پر لعنت بھیج رہا تھا۔ جب اسے امام حسنؑ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اس سے کہا کہ اے بدبخت و لعین تو نے امیرالمومنین کو قتل کر دیا ہے۔ کیا یہ ان احسانات کا بدلہ ہے جو انھوں نے ہمیشہ تم پر کیے۔ ابن ملجم سر جھکائے خاموش کھڑا رہا، اور کسی بات کا جواب نہ دیا۔ امیرالمومنینؑ نے غشی سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور فرمایا کہ اے ابن ملجم کیا میں تیرا اچھا امام نہ تھا اور کیا میرے احسانات بھلا دیے جانے کے قابل تھے؟۔ اس پر ابن ملجم نے کہا: اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ۔ کیا آپ اسے چھڑائیں گے جو دوزخ کا سامان کر چکا ہو۔ اس کے بعد آپ نے امام حسنؑ کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اے فرزند اگر میں زندہ بچ رہا تو مجھے اختیار ہوگا کہ اسے سزا دوں یا معاف کر دوں اور اگر اس ضربت کے نتیجے میں چل بسا تو تم اسے قصاصاً قتل کر دینا، اور ایک ضربت کے بدلے ایک ضربت لگانا اور قتل کے بعد اس کے ہاتھ پیر نہ کاٹنا۔ کیونکہ میں نے رسول خدا ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ایاکم والمثلة ولو بالکلب العقور۔ "خبردار کسی کو مثلہ نہ کرنا، اگرچہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو"۔ اور اس کے ایام اسیری میں جو خود کھانا وہ اسے کھانے کے لیے دینا، اور جو خود پینا وہ اسے پینے کے لیے دینا۔

اب لوگ حضرت کو ہاتھوں پر اٹھا کر گھر میں لائے۔ گھر کے اندر اور گھر کے باہر کہرام بپا تھا، امام حسنؑ گریہ وزاری کی آوازیں سن کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے لوگو امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ تم اپنے اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔ اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ لوگ منتشر ہو گئے۔ مگر میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ میں حضرت کو دیکھے بغیر واپس جاؤں، وہیں پر کھڑا رہا، اور جب امام حسنؑ دوبارہ باہر نکلے تو میں نے عرض کیا کہ فرزند رسول میں امیرالمومنین کو دیکھے بغیر جانا نہیں چاہتا۔ مجھے ایک نظر دیکھنے کی اجازت دی جائے۔ امام حسنؑ اندر تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر نکلے اور مجھے اپنے ہمراہ اندر لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت کے سر پر زرد رنگ کی پٹی بندھی ہوئی اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی ہے۔ میں پٹی اور چہرے کی رنگت میں تمیز نہ کر سکا اور بے ساختہ رونے لگا۔ حضرت نے مجھے روتے دیکھا تو فرمایا کہ اے اصبغ روؤ نہیں۔ میں جنت کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ یاامیرالمومنین مجھے معلوم ہے کہ آپ جنت میں جائیں گے۔ مگر میں تو آپ کی مفارقت پر روتا ہوں۔ اب ہمارا کون پرسان حال ہوگا۔ اور یتیموں اور بیواؤں کی کون دستگیری کرے گا۔ یہ کہہ کر اصبغ اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت پر نقاہت طاری ہوگئی اور غشی کے دورے پڑنے لگے۔ کبھی ہوش میں آ جاتے اور کبھی بے ہوش ہو جاتے۔ امام حسنؑ نے دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا۔ آپ نے کچھ پیا اور فرمایا کہ ابن ملجم کو بھی دودھ کا شربت دیا جائے۔ اس عرصہ میں کوفہ کے طبیب جمع ہو گئے۔ ان میں مشہور جراح اور ماہر طبیب اثیر بن عمرو سکونی بھی تھا۔ اس نے زخم کا جائزہ لینے کے بعد

کہا کہ اس کاری ضرب سے جانبر ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ زہر آلود تلوار سے مغز سر بھی متاثر ہوا ہے اور جسم میں بھی زہر پھیل چکا ہے۔ یہ سن کر سب کو حضرت کی زندگی سے ناامیدی ہوگئی۔ سینوں میں دل بیٹھنے لگے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت نے انیسویں اور بیسویں رات انتہائی کرب و تکلیف میں گزاری اور جب اکیسویں رات کا دو تہائی حصہ گزرا تو حالت دگرگوں ہوگئی پیشانی پر موت کا پسینہ آیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر جان، جان آفرین کے سپرد کر دی اور روح طیب عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی۔ تقویٰ و راست بازی کا چراغ گل ہوگیا، علم و عمل کا آفتاب گہنا گیا۔ دنیا تیرہ و تار ہوگئی۔ افسوس جس کی زیست کا ہر لمحہ حق کی نصرت اور باطل کے خلاف جہاد میں گزرا ایک شقی ازلی کی تلوار سے مجروح ہو کر دنیا سے چل بسا اور جس کی زندگی کی راتیں محراب عبادت میں جاگ کر گزریں لحد کا گوشہ آباد کرنے کے لیے ابدی نیند سو گیا۔

قتل ایک جرم ہے۔ مگر قتل کی نوعیت، مقتول کی حیثیت اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج و اثرات کے اعتبار سے اس کی سنگینی اور سزا کے درجوں میں فرق ہوسکتا ہے۔ ایک عام فرد کا قتل حرام اور بڑا جرم ہے۔ مگر قتل مومن اس سے بھی بڑھ کر جرم ہے۔ جس کی سزا نص قرآن کی رو سے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ اور امیر المومنین کا قتل تو ہر اعتبار سے سنگین جرم اور عظیم حادثہ تھا۔ جس نے دینی حدوں کو پامال اور اسلامی قدروں کو مجروح کر دیا۔ اس لحاظ سے قاتل دنیا و آخرت میں شدید ترین عذاب کا مستحق ہوگا۔ یہ ایک عابد شب زندہ دار کا قتل تھا جو محراب مسجد میں اور سجدہ کی حالت میں واقع ہوا۔ قاتل نے نہ مسجد کی تقدیس کا خیال کیا، نہ نماز کا احترام ملحوظ رکھا، نہ سجدہ کی حالت پر نظر کی اور اس نمازی کا خون بہایا جو اسلام کا پاسبان، ثانئ قرآن اور سراپا ایمان تھا۔ اس سانحہ کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ یہ حادثہ اس وقت رونما ہوا جب حضرت لشکر و سپاہ جمع کر چکے تھے اور دو چار دن کے بعد شام کی طرف کوچ کرنے والے تھے، تاکہ ایک فیصلہ کن جنگ لڑ کر ضلالت کا سرچشمہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں۔ مگر ایسا نہ ہو سکا اور اس قتل کے نتیجے میں غیر شرعی اقتدار کے قدم گڑ گئے اور افق اسلام پر ضلالت و گمراہی کی گھٹائیں چھا گئیں۔ کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کی تہ میں کوئی سازش کارفرما ہو۔ اگر ایک باج گزار کے ذریعہ مالک اشتر کو اور جعدہ بنت اشعث کے امام حسنؑ کو زہر دے کر راستے سے ہٹایا جاسکتا ہے تو امیر المومنین کی زندگی ختم کرنے کا منصوبہ بھی بنایا جاسکتا تھا۔ بہر حال یہ اقدام کسی خاص تحریک کا نتیجہ ہو، یا انتقامی جذبہ کا، قاتل کی شقاوت و محسن کشی تاریخ کا ایک مثالیہ ہے۔ اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی اپنے ارشادات میں حضرت کے قاتل کو شقی ترین امت اور عاقر ناقہ صالح کے مانند قرار دیا ہے۔ چنانچہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں:

قال رسول الله لعلی من اشقی الاولین قال عاقر الناقة قال فمن اشقی الآخرین قال الله ورسوله اعلم قال قاتلك۔

(تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ پہلے لوگوں

میں شقی ترین مردم کون ہے، کہا اونٹنی کو پے کرنے والا۔ فرمایا بعد والوں میں زیادہ شقی کون ہے۔ کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: وہ تمہارا قاتل ہے۔

ناقہ صالح حضرت صالح کا معجزہ تھا اور علی بن ابی طالب پیغمبر اسلام کا معجزہ تھے۔

"یکے از معجزات او علی بود"

اگر ناقہ صالح کا پے کرنے والا جہنم کا مستحق قرار پا چکا ہے تو حضرت علیؑ کا قاتل دوزخ کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے، جبکہ دونوں نے یکساں نبوت کے معجزہ کو ختم کیا اور آیت الٰہیہ کو مٹایا۔ اس کے بعد ابن حزم وغیرہ کی اس رائے کو کوئی وزن نہیں دیا جاسکتا کہ یہ قتل خطائے اجتہادی کا نتیجہ تھا، اور نہ اس طرح جرم کی سنگینی کو ہلکا کر کے قاتل کو اجر و ثواب کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے۔

تجہیز و تکفین

اکیسویں رات کے چند لمحے باقی ہیں، چاند کی پھیکی روشنی فضا میں پھیلی ہوئی ہے، ستارے تھرتھرا رہے ہیں اور کاشانۂ امامت میں خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ایک طرف اعزہ کا مجمع ہے اور ایک جانب اصحاب حسرت و اندوہ کی تصویر بنے کھڑے ہیں اور آنسوؤں اور آہوں میں غسل و کفن کا سروساماں کیا جا رہا ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسین علیہما السلام نے غسل دیا اس طرح کہ امام حسینؑ پانی ڈالتے تھے اور امام حسنؑ غسل دیتے تھے۔ اور ایک روایت کی بنا پر محمد بن حنفیہ پانی ڈالتے تھے اور حسنین علیہما السلام غسل دیتے جاتے تھے۔ غسل کے بعد اس کافور سے جو پیغمبر اکرمؐ کے غسل سے بچ رہا تھا، حنوط کیا گیا۔

غسل و حنوط کے بعد سفید پارچوں کا کفن دیا گیا اور امیر المومنینؑ نے راتوں رات جنازہ اٹھایا اور دفن کے لیے کوفہ کی غربی جانب حیرہ کی طرف چل دیے۔ جب حیرہ کے قریب سرزمین نجف میں پہنچے تو جنازہ زمین پر رکھ دیا، اور امام حسنؑ نے سات تکبیروں یا پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ باجماعت ادا کی۔ دینوری نے تحریر کیا ہے:

دفن علی رضی اللہ عنہ وصلی علیہ الحسن وکبر خمساً۔

(اخبار الطوال صفحہ ۲۱۶)

علی رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے اور حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور پانچ تکبیریں کہیں۔

نماز جنازہ کے بعد سفید پہاڑیوں کے درمیان ایک مقام سے مٹی ہٹائی تو قبر اور لحد تیار ملی۔ حسنین علیہما السلام محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر قبر میں اترے اور نعش اقدس کو لحد میں اتارا اور لحد کو اینٹوں سے بند کر کے مٹی ڈالی اور قبر زمین کے برابر کر دی۔

صلی الالہ علی جسم تضمنہ

قبر فاصبح فیہ العدل مدفونا

نجف کے ریگزار میں نعش اطہر کو خاموشی کے ساتھ سپرد لحد کر دیا گیا اور لوگوں کو دفن کا علم اس وقت ہوا جب حسنین علیہما السلام اور دوسرے اعزہ و اصحاب پلٹ کر کوفہ واپس آئے۔ اب عوام میں سرگوشیاں ہونے لگیں اور نعش اور قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔ کسی نے کہا کہ آپ دار الامارہ میں دفن کیے گئے ہیں، کسی نے کہا کہ مسجد کوفہ میں، کسی نے کہا کہ رحبہ کوفہ میں اور کسی نے کہا کہ بغداد

کے محلہ کرخ میں۔ مگر قبر کے محل وقوع کا صحیح علم امیرالمومنین کی اولاد اور ان مخصوص اصحاب کے علاوہ جو شریک جنازہ تھے کسی کو نہ تھا۔ قبر کے مخفی رکھنے میں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ خوارج اور اموی حکمران اس وحشیانہ طرزِ عمل کا اعادہ نہ کرسکیں جس کا مظاہرہ احد میں شہداء کے اعضاء وجوارح کاٹنے کی صورت میں ہو چکا تھا۔ جب اموی دور ختم ہوگیا اور وقتی طور پر فضاء پرسکون ہوئی تو ابوالعباس السفاح کے دور میں امام جعفر صادق عراق میں تشریف فرما ہوئے اور اپنے اصحاب میں سے ابوبصیر، عبداللہ بن طلحہ، معلی بن خنیس، یونس بن ظبیان اور زرارہ وغیرہ کو قبر کے محل وقوع سے مطلع کیا۔ جس کے بعد خواص شیعہ کی آمدورفت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اور دوسرے ائمہ اہل بیتؑ کے اتفاق اور فرقۂ امامیہ کے اجماع کے بعد یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ امیرالمومنینؑ کا مدفن نجف اشرف میں ہے جو سلطنت عباسیہ کے اوائل سے لے کر اب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے اور علماء اہلسنت نے بھی اپنی کتابوں میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ ابن اثیر تحریر کرتے ہیں:

والاصح ان قبرہ ھو الموضع الذی یزار و یتبرک بہ ـ
(تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۹)

صحیح تر قول یہی ہے کہ آپ کی قبر وہی ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور برکت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ ابوالغنائم محمد بن علی متوفی ۵۱۰ھ کہا کرتے تھے کہ:

مات بالکوفۃ ثلثمائۃ صحابی لیس قبر احدھم معروفا الاقبر امیرالمومنین و ھو ھذا القبر الذی یزورہ الناس الآن
(شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ صفحہ ۴۵)

کوفہ میں تین سو صحابیوں نے وفات پائی۔ مگر امیرالمومنین (علیہ السلام) کی قبر کے علاوہ کسی کی قبر کا پتا نہیں ہے۔ اور حضرت کی قبر وہی ہے جس کی اب لوگ زیارت کرتے ہیں۔

باب المتفرقات

روزہ اس کے اسرار واغراض اس کی حقیقت اور اس کے مسائل واحکام کا بیان

تحریر: آیۃ اللہ الشیخ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی موسس و پرنسپل جامعہ سلطان المدارس سرگودھا

جس طرح عالم آب وگل میں ادویہ کے افعال و خواص متعدد ہوتے ہیں اور ایک ایک دوا کئی کئی امراض و اسقام کے ازالہ ودفعیہ کے لیے مفید ہوتی ہے، بعینہ اسی طرح احکام الہیہ کے متعدد اغراض و مقاصد ہوتے ہیں اور اس کے ایک ایک حکم میں کئی اسرار و رموز پوشیدہ ہوتے ہیں۔

ایں ہمہ صنعش کتاب کار اوست

بے نہایت اندریں اسرار اوست

الغرض شریعت اسلامیہ کی ربانی تعلیم محض حکم کے طور پر نہیں ہے بلکہ وہ سراسر حکم ومصالح پر مبنی ہے اور اس کے فرائض کی عمارت روحانی، اخلاقی، اجتماعی اور مادی فوائد ومنافع کے ارکان پر قائم ہے۔ ذیل میں روزہ کے ان چہارگانہ اغراض ومقاصد کا ایک ایک شمہ بیان کیا جاتا ہے۔

روزہ کے روحانی فوائد

① فطرت وشریعت کا تقاضا یہ ہے کہ عقل نفس پر ہمیشہ غالب رہے مگر بشری تقاضوں کی وجہ سے اکثر نفس عقل پر غالب آجاتا ہے۔ اس لیے شرع اقدس میں ماہ رمضان کا روزہ واجب قرار دیا گیا ہے، تاکہ نفس کا تزکیہ کیا جاسکے اور عقل کو نفس پر پورا پورا غلبہ اور تسلط حاصل ہوجائے۔

② روزہ سے تقویٰ الٰہی کی بلند صفت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ خداوند حکیم نے روزے کا سب سے بڑا روحانی مقصد اسی تقویٰ کو قرار دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ)

اے ایمان والو! تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی وپرہیزگار بن جاؤ۔

تقویٰ خدا کے خوف اور اس کی محبت سے دل کے اندر پیدا ہونے والی اس طاقت وکیفیت کا نام ہے جس کے پیدا ہونے کے بعد دل میں گناہ کرنے سے نفرت اور جھجک محسوس ہونے لگتی ہے اور نیکی بجالانے کی طرف بے پناہ رغبت پیدا ہوجاتی ہے۔ روزہ کا مقصد اصلی دل کے اندر اس کیفیت کا پیدا کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کے دل ودماغ میں گناہ کے اکثر جذبات بہیمی قوت کے افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ روزہ انہی انسانی جذبات کی شدت کو کمزور کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روزہ شہوت کو توڑنے اور کمزور کرنے کے لیے بہترین شے ہے۔

یہ خوف وخشیت الٰہی ہی ہے جو انسان کو تنہائی میں یا چوری چھپے کچھ کھانے پینے سے باز رکھتا ہے۔ کیسا خوف

خدا ہے اس کے دل میں کہ بھوک و پیاس کی بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر جلوت تو بجائے خود خلوت میں بھی کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزہ کو توڑ دے اور کیا مضبوط اعتقاد ہے اس کو آخرت کی جزاو سزا پر کہ مہینہ بھر روزہ رکھتا ہے مگر ایک لحہ کے لیے بھی اس کے دل و دماغ میں آخرت کے متعلق شک وشبہ کا شائبہ تک نہیں آتا، ورنہ اگر اسے شک ہو جاتا تو کبھی روزہ پورا نہ کرتا۔ کیونکہ شک کی خاصیت یہی ہے کہ وہ انسان کے عزم و ارادہ کو متزلزل کر دیتا ہے اور اسے وہ کام انجام نہیں دینے دیتا۔

③ روزہ رکھنے سے انسان کو اپنے عجز و انکسار اور خدائے قہار کی طاقت اور اس کے جلال کا احساس ہوتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لحہ اور ہر روز نفس کی چلنے والی مشین خودکار و خود اختیار نہیں، بلکہ کسی عظیم طاقت کے ماتحت ہے اور انسان نفس کا نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہے۔

④ روزہ رکھنے سے چشم بصیرت وا ہوتی ہے اور حقائق اشیاء کا کشف ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انسان کا معدہ ہضم وفتور سے خالی اور دل و دماغ تخمہ معدہ سے محفوظ ہو تو انسان کو دماغی اور روحانی یکسوئی و صفائی حاصل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں بڑے بڑے اکابر نے بڑے بڑے تجربے کیے ہیں۔

روزہ کے اخلاقی فوائد

① روزہ رکھنے سے انسان کی درندگی و بہیمگی دور ہوتی ہے اور ملائکہ سے قرب و تشبہ پیدا ہوتا ہے اور اس طرح رفتہ رفتہ اس میں ملکوتی اخلاق فاضلہ پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

② روزہ رکھنے میں منعم حقیقی کے اس عظیم الشان انعام و احسان کا شکریہ ہے جو اس نے اپنے پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے ذریعہ بنی نوع انسان پر کیا، ان ایام میں وہ کتاب ربانی وہدایت روحانی نازل فرمائی جس نے ظلمانی کو نورانی، وحشی کو مہذب وبا اخلاق، جاہل کو عالم اور نادان کو دانا بنا کر انسانیت کو معراج کمال تک پہنچا دیا۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روزہ کے اغراض میں فرمایا ہے: لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (بقرہ) روزہ اس لیے فرض کیا گیا ہے کہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت عطا فرمائی اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

ظاہر ہے کہ محسن کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا اور اس کا شکریہ ادا کرنا اخلاقِ حسنہ میں شامل ہے۔

③ روزہ رکھنے سے انسان میں مشکلات و مصائب برداشت کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کو میدان جہاد میں بھوک و پیاس اور دیگر شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ روزہ ایک جبری فوجی ورزش ہے جو ہر بالغ و عاقل مسلمان کو سال میں ایک مہینہ اس لیے کرائی جاتی ہے تاکہ وہ جسمانی تکالیف اور بدنی مشکلات برداشت کرنے کے لیے آمادہ رہے اور دنیا کے مصائب وشدائد کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔

روزہ کے اجتماعی و معاشرتی فوائد

① روزہ رکھنے سے امیروں اور مالداروں کو بھوک و پیاس اور فقر وفاقہ کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ جو

خود بھوکا نہ ہو اس کو بھوک کا اور جو خود پیاسا نہ ہو اس کو پیاس کی اذیت کا کس طرح احساس ہو سکتا ہے؟ بقول بعضے: "سوز جگر سمجھنے کے لیے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے"۔

اس سے ان کے اندر غریب پروری، رحمدلی، ہمدردی، ایثار و قربانی کے صالح جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ فراخ دلی سے غرباء و مساکین کی امداد و اعانت کرتے ہیں، جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے۔

② روزہ اس کے فدیہ اور کفارہ کے احکام پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مواقع پر روزہ کا بدل غریبوں کو کھانا کھلانا قرار دیا گیا ہے۔ ☆ دائم المرض، بہت بوڑھے، اور جو بمشکل تمام روزہ رکھ سکتے ہیں، ان تمام کا فدیہ فی روزہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ ☆ جو شخص کسی عذر کی بناء پر احرام کھولنے سے پہلے سر منڈائے۔ فضيلته من صيام او صدقة او نسك ۔ اس کا فدیہ روزہ یا خیرات یا قربانی ہے۔ ☆ جو شخص حج میں عمداً شکار کرے وہ منیٰ میں جانور ذبح کرے یا "او کفارة طعام مساكين او عدل ذلك صياما۔ (مائدہ) چند مسکینوں کو کھانا کھلائے یا غلام آزاد کرے یا تین روزے رکھے۔ ☆ جان بوجھ کر روزہ نہ رکھے یا روزہ توڑنے کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا یا دو ماہ روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ ان احکام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور صدقہ و خیرات کرنے اور غریبوں کو کھانا کھلانے اور غلام آزاد کرنے میں کتنا گہرا تعلق ہے اور یہ کہ یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔

③ روزہ بہت سے گناہوں بہت سے گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے۔ جیسے غیبت، بدزبانی، مکر و فریب، رشوت و قماربازی اور بہتان تراشی، غلط بیانی، یاوہ گوئی وغیرہ۔ کیونکہ روزہ صرف بھوکا و پیاسا رہنے کا نام نہیں، بلکہ تمام منکرات مناہی سے مکمل اجتناب کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے معاشرہ کی اصلاح اور اجتماع کی فلاح ہو جاتی ہے۔

روزہ کے مادی اور طبی فوائد

اکثر بیماریاں کھانے پینے میں بے اعتدالی کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ جیسا کہ جناب پیغمبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں: "البطنة راس كل داء" شکم پری تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔

نیز فرمایا: كلوا فى بعض بطنكم تصحوا۔ پیٹ کے بعض حصہ میں کھاؤ۔ یعنی اس کا کچھ حصہ خالی چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری صحت کا راز پوشیدہ ہے۔ مگر دیکھا یہ گیا ہے کہ اکثر لوگ پورا پیٹ بھر کر بھی بس نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے معدہ پر ناقابل برداشت بوجھ پڑتا ہے اور انسان مختلف عوارض و امراض کی آماجگاہ بن جاتا ہے روزہ ان عوارض کا مکمل علاج ہے۔ پورا ایک ماہ ہر روز بارہ یا چودہ گھنٹے اسے مکمل آرام ملتا ہے جس کی وجہ سے انسان کی صحت پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے، رطوبات فاسدہ تحلیل ہو جاتی ہیں اور بدن کا تنقیہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعض اطباء تو یہاں تک ہدایت کرتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک بار فاقہ کیا جائے تاکہ جسمانی فضلہ خارج ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ جسم کی صحت و صفائی کا روح کی صحت و صفائی پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

باب المتفرقات

قرآن کریم میں گالم گلوچ کی ممانعت

جناب محمد یوسف

تجربہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ دوسروں کے مقدسات کو برا بھلا کہنا کبھی بھی گمراہوں کی ہدایت کا موجب نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس اس نے انھیں ہٹ دھرمی اور ویسا ہی جواب دینے پر اکسایا ہے۔ اسی لیے خداوند عالم نے کفار کے باطل خداؤں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے اور ائمہ اہل بیتؑ نے اپنے ماننے والوں کو بھی دوسروں کے مقدسات کی توہین سے روکا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ......

اور خبردار تم انھیں برا بھلا نہ کہو جنھیں یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہیں کہ اس طرح یہ دشمنی میں بغیر سمجھے بوجھے خدا کو برا بھلا کہیں گے۔ (سورۃ انعام: ۱۰۸)

اس بنیاد پر برا بھلا کہنے اور سب وشتم سے پرہیز ایک قرآنی اور اسلامی اصول ہے، اور اہل بیتؑ نے بھی اس اصول پر زور دیا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے خاص حالات میں کسی استثناء کا قائل ہونے کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

جنگ صفین میں امیرالمومنین علیہ السلام کے بعض اصحاب فریق مخالف کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر آپؑ نے ان سے فرمایا: "میں تمھارے لیے اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے والے بنو۔ اگر تم ان کے برے اور ناپسندیدہ کاموں کو بیان کرو اور ان کے صحیح حالات پیش کرو، تو یہ ایک ٹھکانے کی بات اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریقہ ہوگا۔ تم گالم گلوچ کی بجائے یہ کہو کہ بار الٰہا! ہمارا بھی خون محفوظ رکھ اور ان کا بھی اور ہمارے اور ان کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انھیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لا، تاکہ حق سے بے خبر لوگ حق کو پہچان لیں اور گمراہی اور سرکشی کے شیدائی اس سے اپنے رخ موڑ لیں۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۴)

یہاں امیرالمومنین علیہ السلام گالم گلوچ کی ممانعت کرتے ہوئے اپنے اصحاب کو دعوت دے رہے ہیں کہ وہ دشمن کے کرتوت بیان کر سکتے ہیں۔ لہٰذا برا بھلا کہنے سے پرہیز کے معنی انحرافات اور گمراہیوں کے مقابل سکوت اور خاموشی نہیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مؤدبانہ انداز میں استدلال کے ساتھ لوگوں کو حقیقت امر سے آگاہ کیا جائے۔ اس طریقے سے مخاطب کی ہدایت کا امکان بڑھ جاتا ہے، اور پروردگار عالم اور رائے عامہ کے سامنے بھی یہ طریقہ زیادہ بہتر قابل دفاع ہے۔

ایک اور روایت میں شیعوں کو خطاب کرتے

ہوئے کہا گیا ہے کہ:

"تقوائے الٰہی اختیار کرو اور جس کسی کے ساتھ تمہارا میل جول ہو اس سے اچھی ہم نشینی رکھو۔ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا طرز عمل اختیار کرو اور امانتوں کو ان کے مالکوں کو لوٹاؤ اور لوگوں کو سؤر کہہ کر نہ پکارو۔ اگر تم ہمارے شیعہ ہو تو اس طرح گفتگو کرو جیسے ہم گفتگو کرتے ہیں اور ہم جیسا طرز عمل اپناؤ، تاکہ ہمارے واقعی شیعہ بنو"۔ (مستدرک الوسائل جلد ۸ صفحہ ۳۱۱)

اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ اس دور میں بھی کچھ لوگ بعض دوسرے افراد کو برے القاب سے یاد کرتے تھے اور اہل بیتؑ نے اس ناپسندیدہ عمل سے منع فرمایا ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی بعض لوگ اپنے مخالفین کو برے القاب سے نوازتے ہیں، ایسے لوگوں کا یہ عمل بے شک ناروا اور پیغمبر اسلام اور ان کے اہل بیتؑ کے طرز عمل کے برخلاف ہے۔

کتاب علل الشرائع (جو شیخ صدوق کی تالیف اور شیعوں کے اہم منابع میں سے ہے) میں آیا ہے کہ اہل سنت کے امام ابو حنیفہ، امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "شیعوں کا ایک گروہ بعض اہل سنت کے بارے میں شدت کے ساتھ بدگوئی اور ان سے اعلان بیزاری کرتا ہے۔ ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ آپ نے انھیں ایسا کرنے کو کہا ہے"۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے"۔ ابو حنیفہ نے کہا: "لیکن وہ لوگ اس عمل کے لیے بہت زیادہ اہمیت کے قائل ہیں"۔ امامؑ نے فرمایا: "آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں"۔ ابو حنیفہ نے کہا: "اگر آپ ان کے لیے ایک خط لکھ دیں اور میں انھیں وہ خط پہنچادوں، تو وہ اس عمل سے دستبردار ہوجائیں گے"۔ امامؑ نے فرمایا: "(اس صورت میں) وہ لوگ میری بات نہیں مانیں گے"۔ (علل الشرائع جلد ا باب ۸۱ صفحہ ۹۱، بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۹۴)

گویا امام جعفر صادق علیہ السلام کو خوف تھا کہ اگر اس قسم کا خط ایک اہل سنت عالم کے توسط سے شیعوں تک پہنچا تو غیر مؤثر رہے گا۔ البتہ کیونکہ امام واقعاً اس عمل سے ناخوش تھے، لہٰذا آپؑ نے ذاتی طور پر ایک خط تحریر کیا اور اپنے شیعوں کو بہت سی نصیحتیں کیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ تھی کہ برا بھلا کہنے اور سب و شتم سے پرہیز کریں۔ کیونکہ اس نامناسب طرز عمل کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ اور نہیں نکلتا کہ فریق مخالف کو بھی یہی طرز عمل اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس کے بعد شیعہ اس خط کو اپنی نماز کی جگہ پر رکھتے اور نماز کے بعد اسے پڑھتے اور اس کی پابندی کی کوشش کرتے۔

(کافی جلد ۸ صفحہ ۲ تا ۱۴، بحار الانوار جلد ۷۱ باب ۱۴ صفحہ ۲۱۷)

(بشکریہ بینات جمادی الاول جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ)

دورہ برطانیہ سے واپسی

حضرت آیت اللہ علامہ محمد حسین نجفی مدظلہ العالی برطانیہ میں ایک ماہ کا تبلیغی دورہ مکمل کرنے کے بعد وطن واپس تشریف لا چکے ہیں۔ مومنین ان کی صحت و سلامتی کے لیے دعا فرمائیں۔

بقیہ باب الاعمال

ہوسکتا۔ ہاں البتہ افضل یہ ہے کہ منت نماز وروزہ کی مانی جائے۔ قال اللہ تعالیٰ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ۔

مسئلہ ۵: اگر نذر کی مخالفت کی جائے تو بناء بر مشہور قسم والا کفارہ واجب ہوتا ہے جو ایک غلام کا آزاد کرنا یا دس فقراء کو کھانا کھلانا یا دس فقراء کو کپڑا دینا ہے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو تین روزے رکھے مگر دوسرے قول کے مطابق ایسا شخص ماہ رمضان کا روزہ نہ رکھنے والا کفارہ ادا کرے گا جو کہ ایک غلام کی آزادی یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا دو ماہ کے روزے ہیں، اشہر یہ ہے کہ اگر عجز وقصور کی وجہ سے نذر پر عمل نہ کر سکے تو ہر قسم والا کفارہ ادا کرے اور اگر عمداً خلاف ورزی کرے تو پھر ماہ رمضان کے روزہ والا کفارہ ادا کرے۔ واللہ العالم

باب التفسیر

چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے جو بہت برا ساتھی ہے جو ہر اچھے کام سے آدمی کو روکتا ہے اور ہر برے کام کا حکم دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب دنیا میں ان کا ساتھی ہے تو آخرت میں بھی وہی ان کا ساتھی ہوگا۔ لِاَنَّ الْمَرْءَ یُحْشَرُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، شیطان ان کو سامنے کچھ نفع دکھاتا ہے اور وہ اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور خدا جس ابدی نفع کا شوق دلاتا ہے وہ اس میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ اس لیے خدا کے یہاں ان کے لیے سخت عذاب کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس آیت کی تفسیر قبل ازیں سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۴ کے ذیل میں بھی گزر چکی ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اخبار غم

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

- جناب سکندر خان مکین آف کوٹ بھائی خان کی والدہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں۔
- مولوی سید سردار علی شاہ آف لک موڑ موٹر سائیکل کے حادثہ میں وفات پا گئے ہیں۔
- ملک محمد باقر کے بھائی ملک تہذیب حسین پنڈ دادنخان میں وفات پا گئے ہیں۔
- جناب شفقت خان صاحب کی والدہ محترمہ رضائے الٰہی سے ۳۳ لغاری ضلع خوشاب میں وفات پاگئی ہیں۔
- جناب شان باجوہ صاحب کے چچا رضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔
- جہانیاں شاہ کے میاں عاشق حسین وفات پا گئے ہیں
- سید سجاد حسین شاہ چک نمبر ۳۶ شمالی میں وفات پا گئے ہیں۔

دعا ہے کہ خداوند عالم مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازے بحق النبیؐ وآلہؑ

مومنین سے التماس ہے کہ سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۂ توحید تین بار تلاوت کرکے تمام مرحومین کے لیے مغفرت کی دعاء فرمائیں۔ (شریک غم ادارہ)

بقیہ باب المسائل

وضاحت فرمائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی ان خرافات کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ غالیوں کی اختراع ہو سکتی ہے۔

سوال نمبر ۱۰: کیا ایک دفعہ زیارت کریں تو ستر (۷۰) حجوں اور وہ بھی مقبول حجوں کا ثواب ملتا ہے۔ تو کیا بہتر نہیں ہم حج کے بجائے ایک دفعہ زیارت پر چلے جائیں۔

الجواب باسمہ سبحانہ: یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا ثواب ستر حجوں کے برابر ملتا ہے مگر بشرطہا وشروطہا۔ منجملہ ان شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ زائر پر حج واجب نہ ہو، یا اگر واجب ہو تو پہلے واجب کو ادا کر چکا ہو، ورنہ اگر واجب ذمہ ہو تو مستحبی عبادت قبول ہی نہیں ہوتی۔

سوال نمبر ۱۱: قبر میں حضرت علیؑ پہنچتے ہیں تو میرا سوال ہے کہ سردار انبیاء حضرت محمدؐ کیوں نہیں پہنچتے جو حضرت علیؑ کے بھی سردار ہیں۔ اس کا ذکر کبھی ہمارے منبروں پر نہیں ہوتا۔

الجواب باسمہ سبحانہ: اس سوال کا جواب سوال نمبر ا کے جواب میں دیا جا چکا ہے۔ یہ صرف سینہ گزٹ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ واللہ العالم

احقر محمد حسین النجفی سرگودھا

اھلِ ایمان کے لیے عظیم خوش خبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منظرِ شہود پر آچکی ہیں۔

1. **فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن** کی مکمل دس جلدیں موجودہ دَور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادرانِ اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ **مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دوہزار روپے۔**
2. **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منظرِ شہود پر آگئی ہے۔
3. **اعتقادات امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد واصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہوکر منظرعام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے۔
4. **اثبات الامامت** آئمۂ اثناعشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن۔
5. **اصول الشریعة** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
6. **تحقیقات الفریقین** اور
7. **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔
8. **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصة التفسیر** منظرِ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔
9. **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرھویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
10. **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظرعام پر آگیا ہے۔

منجانب : **منیجر مکتبة السبطین**

9/296 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Registered No. (G) H.C/722

0307- 6719282 الخطاط کمپوزرز